New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE
شرف مومن
بقلم زینب واحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاری (ناول)

شرف مومن

از زینب واحد

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشاللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

بڑی عجلت میں وہ بس میں سوار ہوئی تھی۔ کھچا کھچ بھری اس بس میں سیٹ کا ملنا نا ممکن تھا۔ بے زاری سے بیگ میں ہاتھ مار کر کھڑے کھڑے فون نکالنا چاہا تھا اور تبھی اسے احساس ہوا تھا۔ وہ اپنا فون شاید اسی دکان پہ بھول آئی تھی جہاں سے کچھ دیر قبل اس نے خریداری کی تھی۔ آگلے ہی لمحے اس نے سر اٹھا کر نزدیکی سیٹ پہ براجمان کالی عینک پہنے اس نوجوان کو دیکھا تھا جو مکمل تندہی سے باہر دیکھنے میں مشغول تھا۔ آگلے سٹاپ پہ وہ اتر گئی تھی اور کالی عینک والے اس نوجوان نے بنا گردن موڑے نا محسوس انداز میں زمین پہ پڑا کاغذ کا وہ ٹکرا اٹھایا تھا جو چند لمحے پہلے وہ گرا گئی تھی۔ نا محسوس انداز میں مٹھی بند کی تھی اور باہر کی جانب متوجہ ہوا تھا جہاں اس کا سٹاپ آنے کو تھا۔ اپنا سٹاپ آنے پہ وہ اترا تھا۔ دھکم پیل سے بچنے کے باوجود وہ بس سٹاپ کے اس بنچ کے قریب بے ساختہ ہی لڑکھڑایا تھا۔ جہاں دو سال کے اک بچے کو بہلاتے ہوئے ایک عورت شاید اپنی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ نوجوان اس کے پاس پہنچ کے لڑکھڑایا تھا، سنبھلا تھا اور پھر دوبارہ سے متوازی چال چل دیا تھا۔ بچے نے تیسری دفعہ بھی اس کے لائے ہوئے برگر کو ہاتھ مار کے گرا دیا تھا۔ وہ جھکی تھی اور برگر کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے اس کاغذ کو مٹھی میں تھاما تھا۔ بچے کا ہاتھ پکڑ کہ وہ چل پڑی تھی۔ ایک نزدیکی تھری سٹار ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔۔ داخل ہو کہ رسیپشن سے کچھ پوچھا تھا۔ سامنے سے آتی

ہوئی ویٹریس اسے دیکھ کہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب بڑھی تھی۔ مصافحہ کرتے ہوئے وہ باہر نکل آئی تھی۔ ویٹرس نے مطلوبہ آرڈر اٹھایا تھا اور کونے میں لگے اس میز کی جانب بڑھی تھی۔ جہاں سیاہ ڈریس کوٹ میں ملبوس موسمیاتی الرجی کے باعث چہرہ ماسک سے ڈھکے آنکھوں پہ سن گلاسز لگائے پی کیپ پہن رکھی تھی۔ اس نے ٹرے ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔ ساکت مجسمے میں حرکت ہوئی تھی۔ ٹرے کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا اور ٹرے کے نیچے رکھا کاغذ دو انگلیوں سے سرکا کہ سامنے کیا تھا۔

The bargainer's

سیاہ روشنائی سے لکھے لفظ کو پڑھا تھا ماسک کے نیچے چھپے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آئی تھی

نفرت انگیز، زہریلی مسکراہٹ۔

کمرے میں داخل ہو کہ اس نے زوردار ہاتھ سوئچ بورڈ پہ مارا تھا۔ پل بھر میں روشنی

پھیلی تھی۔ بیگ کو صوفے پہ اچھالتی، گلے میں لپٹا دوپٹہ اتارتی وہ اوندھے منہ بستر پہ گری تھی۔ پانچ منٹ ایسے ہی پڑے رہنے کے بعد وہ نگھتی ہوئی سیدھی ہوئی تھی۔ گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔ بےزاری سے آنکھیں موندی تھیں۔ تبھی بیگ میں رکھا اس کا فون چیخا تھا۔ جسے اس نے سرے سے ان سنا کر دیا۔ دو بار بند ہونے کے بعد جب تیسری بار بھی فون بج اٹھا تو وہ ناچار اٹھ کر صوفے کی جانب بڑھی تھی۔ صوفے پہ بیٹھ کر بیگ کھنگالنا شروع کیا۔ تب تک وہ چوتھی بار بجنا شروع کر چکا تھا۔ بنا دیکھے بھی وہ جانتی تھی دوسری جانب کون ہو سکتا ہے۔ فون کان سے لگا کر اس نے پاؤں جوتوں کی قید سے آزاد کیے۔

"کہاں ہے میری شہزادی" طنزیہ لہجہ گونجا تھا۔

"رات کے اس پہر کوئی شریف لڑکی کہاں پائی جا سکتی ہے؟ آف کورس اپنے گھر ناں۔ تو میں بھی گھر پر ہی ہوں۔ ویسے کوئی بات ہوئی ہے کیا جو آدھی رات کو میری پیاری خالہ جان کو میری یاد ستائی ہے" لہجے میں دنیا بھر کی تازگی سموتے ہوئے انتہا درجے کی معصومیت سے پوچھا تھا۔ لیکن مقابل بھی اس سے دو ہاتھ آگے تھا شاید۔ بڑے کڑے انداز میں پوچھا گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ویری ویل تو مس شریف۔ کس وقت آپ کی سواری باد بہاری نے گھر کی دہلیز پار کی۔اب لگے ہاتھوں اس کی بھی وضاحت کریں گی آپ؟"

لو جی۔بے طرح مارے گئے اب تو۔

"یار آنی شام سے گھر پہ ہوں کیا بیویوں کی طرح مجھ معصوم پہ شک کر رہی ہیں"

دوسری طرف سے آتی آواز نے اس کی ساری بوکھلاہٹ کو کھسیاہٹ میں بدل دیا۔

"کیا ہے ناں منہا زراج جب آپ اتنی معصوم بنتی ہیں ناں تو میرا شک بالکل یقین میں بدل جاتا ہے۔آپ کی گاڑی میری آنکھوں کے سامنے محض چند منٹ قبل اندر آئی ہے۔تو مس شریف یہ کون سا وقت ہے واپس آنے کا"

وہ گرنے کے انداز میں صوفے پہ لیٹی تھی۔

"سوری آنی!ایکچوئیلی فلائٹ کا ٹائم چینج ہو گیا تھا۔سارے بلز کلئر کر چکی تھی۔سر چھپانے کو جگہ نہ تھی آپ کی بچی کے پاس پردیس میں۔اب آپ ہی کہتی ہیں ناں جوان جہان لڑکی کو کوئی رسک نہیں لینا چاہئے۔آنیسٹلی آپ کی یہی ہدایت یاد آگئی تھی"

اب کہ حقیقت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جوابا وہ جو اپنے کمرے کی کھڑکی سے انیکسی میں

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رکتی اس کی گاڑی کے رکنے سے لے کر روم کی لائٹ آن ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔

کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پہ آ گئیں۔

"منہاز راج یہ آپکا امریکہ نہیں پاکستان ہے اور یہاں کی سیکیورٹی کے بارے میں یونو بیٹر دین می۔"

وہ ملامتی سا بولی تھیں۔

"جی" اس نے نیند بھری آنکھیں کھول کر بدقت جواب دیا تھا۔

"کیا جی؟ کھانا کھایا۔ پچھلے پورے ہفتے میں گھن چکر بنی رہی ہو گی۔ نہ کھانے کا ہوش نہ سونے کا اور نہ ہی جاگنے کا۔ بندہ انفارم ہی کر دیتا ہے آنے سے پہلے میں تمہاری پسند کا ڈنر بنواتی۔ ابھی کھانا بھجواؤں؟؟"

ان کی اس قدر فکر مندی پہ وہ مندی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ کچھ کہنا چاہا تھا لیکن نیند کا غلبہ بھاری تھا۔ اس کی سانس کی ہمواری سے ہی آنی کو حقیقت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

گہری سانس بھرتے ہوئے انھوں نے فون آف کیا تھا۔ اور فون تو اس کے ہاتھ سے بھی پھسل کر کارپٹ پہ ڈھیر ہو چکا تھا۔

اگلی صبح اسکی آنکھ کچن سے آتی برتنوں کی کھٹر پٹر پہ کھلی تھی۔ مندی مندی آنکھیں کھول کر اطراف میں نگاہ دوڑائی تھی۔ کمرے میں صبح کی دھوپ بھر چکی تھی۔ چند لمحے خالی الذہنی سے چھت کو گھورتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔ کل سے پہنا سوٹ سفر کے دوران ملگجا ہو چکا تھا۔ بال الگ اپنی ناقدری پہ رو رہے تھے۔ اس سب میں اگر کوئی چیز منہاز راج کو دلچسپ لگی تھی تو وہ کچن سے آتی آواز تھی۔ سستی کو خیر باد کہتی وہ وارڈروب سے کوئی سا بھی سوٹ نکالتی واش روم میں گھس گئی تھی۔ پندرہ منٹ کے شاور کے بعد وہ باہر نکلی تو چہرے پہ بشاشت محسوس کی جاسکتی تھی۔ انگلش میوزک کو سیٹی کی دھن پہ بجاتے بال برش کرتے وہ دائیں طرف بنے اوپن کچن کی جانب آگئی۔ اس کی توقع کے عین مطابق سامنے موجود ہستی مکمل تندہی سے ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ الیکٹرک کیٹل میں چائے رکھی تھی۔ ٹوسٹ بن چکے تھے۔ برنر پہ پین رکھے چیز آملیٹ کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ گہرا سانس لے کہ مزے دار سی خوشبو اپنے اندر کھینچتے ہوئے اس نے بڑی خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ سامنے

والے کی آنکھوں پہ رکھ دیئے۔

ارحم لاشاری کا پین اچھالتا ہاتھ پل بھر کو تھما تھا۔ ہونٹوں پہ نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اندازے سے پین برنر پہ رکھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا چمچہ اس نے منہا کے ہاتھ پہ مارا تھا۔

"آؤچ" وہ مصنوعی خفگی سے فوراً پیچھے ہٹی تھی۔ غصے سے اسے دیکھا تھا جواب مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔

'توآخر کار مس منہا زراج کی صبح دن کے بارہ بجے ہو ہی گئی۔ بائی داوے امریکہ میں بھی تمہاری ٹائم روٹین یہی تھی کیا؟ ویل۔۔۔۔ پھر تو یقیناً آپ جناب نے اپنا مشن نیند اچھی طرح پورا کر لیا ہو گا۔" اسے تنگ کرتے وہ اب آملیٹ نکال رہا تھا۔ ٹھنڈی سانس بھرتے وہ کرسی کھینچ کہ ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھی۔

"ناقدرے لوگوں کی ایک قسم جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہو گی ارحم لاشاری اور بڑے افسوس سے مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میری گناہگار آنکھیں تمہیں وہاں دیکھ رہی ہیں" انگلی سی ٹیبل بجاتے وہ اب بدلہ اتار رہی تھی

"واقعی۔ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ مجھے وہاں دیکھنے کے لیے تم میرے ساتھ ہو گی۔ ویسے کام ہو گیا تمہارا؟" کیٹل سے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"آف کورس جس کام میں منہازراج ہاتھ ڈال لی اس کی نیا پار لگی سمجھو۔ اینی ویز آئی ڈیم شیور تم نے مجھے مس کیا ہو گا۔" ٹیبل پہ رکھا ایپل جوس گھونٹ گھونٹ پیتی اپنی جون میں لوٹ چکی تھی۔ تب تک ارحم ٹیبل لگا چکا تھا۔

"مس تو تب کرتا جب ٹائم ملتا۔ آج کل جو حالات چل رہے ہیں پاکستان میں ایسے میں تمہیں لگتا ہے میں اپنی جاب چھوڑ کہ تمہیں مس کروں گا؟ منہازراج آج تو تم مجھے بتا ہی دو کہ تمہاری ان خوش فہمیوں کا کوئی اختتام بھی ہے یا نہیں" لیکن منہازراج اس کی بات نہیں سن رہی تھی بلکہ ٹیبل پر رکھے ان لوازمات کو گھور رہی تھی جو ایک ہی فرد کے لئے تھے۔

"تم ناشتہ نہیں کر رہے میرے ساتھ؟"

اس کی بات پہ ارحم نے چائے اپنے سامنے کی۔

"ان فیکٹ تم ناشتہ نہیں کر رہیں میرے ساتھ کیونکہ میں اتنا اچھا ہر گز نہیں ہوں کہ

ایک پھوہڑ لڑکی کے لیے ناشتہ بنانے میں اپنے انرجی ضائع کروں۔ کم آن منہا میں وہی ہوں یار۔ بقول تمہارے۔۔دنیا کا بے ضمیر ترین آدمی۔"

بڑے مزے سے ناشتہ کرتا وہ اسے تپا رہا تھا۔ اور وہ۔۔۔واقعی وہ کیسے بھول گئی تھی کہ ایک سو ایک ڈھیٹ مرے تھے تو ارحم لاشاری نے جنم لیا تھا۔

"اللہ پوچھے تمہیں ارحم لاشاری۔ کسی بھوکے کے سامنے یوں ٹھونس ٹھونس کہ کھانے پہ 420 کی دفعہ لگنی چاہیے۔۔۔"اس کی دہائی ابھی جاری ہی تھی جب سامنے سے آنی آتی دکھائی دیں۔ان کے پیچھے ٹرے اُٹھائے کاشف تھا جو اسے دیکھتے ہی دانت نکالنے لگا تھا۔آنی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر ان سے لپٹی تھی۔زور زور سے کاشف کو ہاتھ ہلایا تھا

"میرا معصوم بچہ۔۔ارحم کی بات تم رہنے ہی دو۔ میں خود جو تمہارے لیے ناشتہ لا رہی تھی۔"ان سے الگ ہوتے ہوئے اس نے محبت سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔

زندگی میں گنے چنے رشتے ہی تو تھے اس کے پاس۔

فاتحانہ ارحم کو دیکھا تھا جو بے فکری سے کندھے اچکا گیا۔

"اسے کہتے ہیں جب اللہ کھلانا چاہے تو کون بھوکا رکھے" گویا اسے چڑانا چاہا تھا۔

"نوور یز۔ مما کی پلاننگ کا تو مجھے پہلے سے ہی علم تھا۔ میں تو بس اس لیے یہاں آیا تھا کہ ایک ہفتے سے تمہاری شکل نہیں دیکھی تھی اور دن بہت اچھے گزر رہے تھے۔ آج کوئی خاص کام تھا نہیں سوچا تمہارے رخ روشن کا دیدار کر کے آج کا دن بچا لیا جائے۔ کیونکہ آفٹر آل۔۔۔ تمہارے بغیر اتنے دنوں کا سکون کہاں برداشت کر سکتا ہوں میں"

اب کی بار جواب دینے کو اس نے گھورا ہی تھا کہ نظر اٹک گئی تھی۔ دماغ الجھا تھا۔ ارحم لاشاری اسے مس کر رہا تھا۔

ناقدانہ جائزہ لیا تھا اور راز پا لیا تھا۔ وہ آفس جانے کے لیے بالکل ریڈی تھا لیکن اس کے الجھے سیاہ بال اس کی پرسنالٹی کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ اور منہاز راج یہ انداز پہچانتی تھی۔ وہ جب بھی ڈپریس ہوتا تھا یونہی بالوں کو انگلیوں سے سلجھا لیا کرتا تھا

"Let's see in the evening" اس کی سنجیدہ آواز پہ ارحم نے اسے دیکھا تھا۔

"Done"

کب، کیوں، کہاں،۔۔۔یہ نہ پوچھنے کی ضرورت تھی نہ بتانے کی۔

یہ وہ ٹیلی پیتھی تھی جو ان دونوں بہن بھائی کے خون میں بہتی تھی۔

"The bargainer's"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کاغذ پہ لکھے لفظ کو ایک بار پھر پڑھتے ہوئے اس کے ذہن نے اڑان بھری تھی

ٹرے میں موجود ایک بھی آئٹم چکھے بنا اس نے بل منگوایا تھا اور پے کر کے قدم باہر

اپنی گاڑی کی جانب بڑھائے تھے۔

سیٹ بیلٹ باندھ کر فون نکالا تھا۔مطلوبہ نمبر ملا کر کان میں لگا آلہ دبایا تھا۔دو بیل کے

بعد کال ریسیو کر لی گئی

"زندگی آسان ہو گئی ہے؟" مردانہ لہجہ گونجا تھا

" Tonight at 9pm. Send me your details"

سپاٹ آواز گاڑی کی خاموشی کو چیر گئی تھی۔ بنا جواب سنے اس نے آلہ دبایا تھا۔ آگلے چند لمحوں میں اس کی گاڑی شہر کی ایک مصروف شاہراہِ پہ فراٹے بھر رہی تھی۔

شام کے 5 بجے کا وقت تھا جب ارحم لاشاری کی گاڑی "زراج" کے سامنے رکی تھی۔ یہ منہا زراج کا بوتیک تھا جو آنی کو handover کر کے منہا کوئی اور جاب کر رہی تھی جس کی اصلیت سے صرف ارحم واقف تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کہ وہ کونے میں بنے اس آخری کمرے میں داخل ہوا تھا۔ جس کے دروازے کے بالکل سامنے گلاس وال سے جھلکتی وہ مصنوعی پہاڑی تھی۔ اس کے سامنے رکھا وہ ٹیبل ان دونوں کے ہر راز کا امین تھا کہ آنے والے سب حالات کی پلاننگ دونوں یہاں بیٹھ کر ہی کرتے تھے۔

آہٹ کی آواز پہ کبرڈ سے کچھ نکالتی منہا پلٹی تھی۔ وہ اپنی مخصوص کرسی پہ بیٹھ رہا تھا۔ ہاتھوں میں پکڑے کاغذ اسی طرح تھامے وہ اس کے بالکل سامنے آ بیٹھی۔

ارحم نے مسکراتی نظر اس پہ ڈالی تھی جو قمیض شلوار پہ دوپٹہ ایک کندھے پر ڑالے، بھورے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنانے نظریں اسی پہ گاڑے بیٹھی تھی۔

اس کے گھورنے کے اس انداز پہ ارحم لاشاری بے اختیار مسکرایا تھا۔

"اتنی مشکوک نظروں سے گھورنا بند کروگی تو کوئی بات کر پاؤں گا میں" اس کے بے چارگی سے کہنے کے باوجود اس کے تیکھے تیوروں میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ ہنوز اسے گھورتے ٹیبل پہ دونوں ہاتھ رکھتے وہ اس کی جانب جھکی تھی۔

"ڑپریس کیوں ہو؟" انداز کے برعکس لہجہ نرم تھا۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

"ڈپریس نہیں ہوں۔ ڈسٹرب ہوں اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔" چھت کو گھورتے ہوئے وہ پرسوچ بولا تھا۔

"کیا فرق؟" اس نے پوچھا تھا۔

"ڑپریشن مایوسی کو کہتے ہیں اس حالت کو جس میں آپ کے پاس کوئی آپشن، کوئی چوائس کوئی اختیار نہیں ہو۔ کوئی راہ نظر نہ آنے کو، اندھیرے کو ڈپریشن کہتے ہیں اور

ڈسٹر بنس۔۔"دائیں ہاتھ سے کنپٹی کو دباتے ہوئے وہ دھیما سا بول رہا تھا۔

"ڈسٹر بنس اس state of mind کو کہتے ہیں جسمیں آپ کے پاس ایک وقت میں بہت سے آپشنز، بہت سی چوائسز ہوں۔اور آپکا ذہن ان میں کسی ایک چیز کو اپنانے اور ایک چیز کو چھوڑنے کا فیصلہ نہ کر پارہا ہو۔"

ہاتھ میں پکڑے کاغذوں پہ نگاہ دوڑاتے اس نے پوچھا تھا۔

"کون سے آپشنز ہیں جنھیں چوز، کرنے میں آپ کنفیوژن کا شکار ہیں؟"

اس کے سامنے تکان زدہ چہرہ والا ارحم لاشاری اس معروف و مشہور اینکر پرسن ارحم لاشاری سے بے حد مختلف نظر آرہا تھا جس نے اپنے انداز و شخصیت سے ایک دنیا کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔

"مجھے خاقان عباسی کے چینل نے آفر دی ہے رات نو بجے کے شو کے لیئے"منہاز راج کے آبرو سوالیہ اٹھے۔

یہ وہی خاقان عباسی ہے ناں جس کے بیٹے نے اپنے گاؤں کی ایک معصوم لڑکی کو اپنی اور اپنے عیاش دوستوں کی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد تیزاب ڈال کر جھیل میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پھینک دیا تھا" سوال سے زیادہ اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"ہاں اور جس کو میں نے اپنے شو میں بلا کر اس سے ایک ایک بات کی بازپرس کی تھی۔ اور جس نے اپنے بیٹے کی سب غلطیوں کا اعتراف کرنے کے بعد اسے سزا دلوانے کی مکمل یقین دہانی کروائی تھی" جیسے اک وضاحت دینا چاہی تھی۔

"غلطی؟" منہا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "غلطی تم کر رہے ہو اس کی حرکت کو غلطی کہہ کر۔ وہ غلطی نہیں گناہ تھا۔ ایک معصوم کی زندگی نہ صرف تباہ کرنے کا بلکہ اس کی جان لینے کا بھی۔ کیا حق پہنچتا ہے تم مردوں کو ایک بے بس لڑکی کو اس کی خوبصورتی کی سزا دینے کا۔ اور ہاں۔۔۔ یہ تمہارے شو کے اگلے ہی دن کی بات ہے ناں جب اس کا بیٹا علاقے کی جیل سے غائب ہوا اور ابھی تک لاپتہ ہے" اس کی آنکھوں میں بڑی کاٹ تھی۔ ارحم لاشاری نے اس کا اک اک حرف بغور سنا تھا

"ہاں۔ اور یہ اس شخص کی ایک نئی چال ہے۔ مجھے نیچا دکھانے کے لیے کیوں کہ اس نے یہ آفر مجھے میرے ڈائریکٹر شہریار خان کے توسط سے پہنچائی ہے۔ اسے ڈر ہے کہ اس کے تین مہینے سے لاپتہ بیٹے پہ ریسرچ کر کہ کہیں ایک بار پھر میں عوام کو اس کا اصل چہرہ نہ دکھادوں۔ وہ مجھے دانہ ڈال رہا ہے جسے چگتے ہوئے میں اس کے جال میں

پھنس جاؤں" منہا بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

"یہ آفر تمہیں سر شہریار نے دیا ہے۔۔ یہ جاننے کے باوجود کہ ان کا چینل صرف تمہاری وجہ سے top rated جا رہا ہے۔ کتنے پیسے لینے ہیں سر نے اس ڈیل کے"

جواباً وہ مسکرایا تھا

"پیسہ تو آزمائش ہے۔ ایمان کی بھی اور جان کی بھی۔ آج نہیں تو کل مجھے خاقان عباسی کا پروپوزل ایکسپٹ کرنا ہی ہوگا" بڑی دھیمی آواز تھی لیکن منہاز راج کی سماعتوں میں دھماکہ ہوا تھا۔

"ارحم۔۔۔ تم۔۔۔ ظلم کا ساتھ دو گے۔ کہاں گئے وہ انصاف کا الم بلند رکھنے کے پر زور دعوے۔۔ کہاں گئی تمہاری وہ درد مند روح جو ظالم کو تختہ دار تک پہنچائے بنا چین اسے نہیں رہتی تھی۔" وہ صدمے میں تھی۔

"کچھ بھی نہیں بھولا میں۔ نہ کسی ظالم کو آزاد پھرتے رہنے دینے کا ارادہ ہے میرا۔ بلکہ۔۔۔ میں کسی کو اس کے ظلم سے بچا رہا ہوں۔ شہریار خان کی بیٹی خاقان عباسی کے قبضے میں ہے۔ میری وجہ سے اگر کسی لڑکی کی عزت گئی تو میں ساری عمر خود کو معاف

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں کر پاؤں گا۔"

اور منہاز راج سمجھ گئی تھی وہ کیا چیز تھی جس نے ارحم لاشاری کو ڈسٹرب رکھا تھا وہ جان نہیں تھی جس کے زیاں پہ انسان صبر کر لے۔وہ عزت تھی۔ جس کے زیاں پہ انسان چیخ بھی نہیں سکتا۔

"ابھی تمہیں ہاں کہنے کی ضرورت نہیں۔کتنا وقووت دیا ہے اس نے ؟"وہ کچھ سوچ کہ بولی تھی۔

"تین دن۔ جسمیں سے ایک دن گزر چکا ہے"

"اور تمہارے ہاں کہنے سے وہ رمشا شہریار کو بنازک پہنچائے واپس پہنچا دے گا۔؟"

"ہاں۔کہا تو اس نے ایسا ہی ہے۔ان فیکٹ اسے رمشا شہریار سے کوئی مطلب نہیں۔وہ بس مجھے پریشرائز کرنا چاہتا ہے"

"تم پرسوں صبح اسے ہاں کہہ دو گے"بڑے سکون سے منہاز راج نے اسے بے سکون کیا تھا۔

"Are you sure"

اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"آف کورس۔ ابھی کام ہے مجھے۔ رات یہیں رکوں گی۔ جاتے ہوئے میرا لیپ ٹاپ پکڑا دینا" گویا اسے بے دخل کیا تھا

وہ غصے سے دانت پیستا اٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ اس کے سامنے میز پہ پٹخا تھا۔

وہ بے نیاز سی فون میں مگن تھی۔

اس کے جانے کے بعد منہا کے چہرے کا سکوں لمحہ بھر میں غائب ہوا تھا۔ اعصاب تن گئے تھے۔ اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پہ حرکت کر رہی تھیں

بڑی ٹھنڈی سی شام قصر گلزارِ میں اتری تھی۔ معمول کے مطابق ایڈووکیٹ گلزار حبیب اپنے گھر کے لاؤنج میں وہیل چیئر پر براجمان، وقفے وقفے سے ہاتھ میں پہنی گھڑی کو دیکھتے، پھر سر جھٹک کر کتاب پڑھنا شروع کر دیتے۔ یہ عمل پچھلے آدھے گھنٹے میں وہ کم از کم 36 بار دہرا چکے تھے۔ اب کی بار جب وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ

ہوئے تو سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔گلزار حبیب نے شکوہ کناں نظریں اٹھائیں تھیں۔لیمن شرٹ کے ساتھ جینز کاٹراوزر پہنے ،سر پہ حجاب لئے وہ ذورین گلزار حبیب تھی۔اس کے شفاف چہرے پہ اس وقت معصوم مسکراہٹ تھی۔اتنے قدموں کے فاصلے کے باوجود وہ باپ کی بے چینی سے واقف تھی۔وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی تھی۔

"اوہ بابا" جھک کر ان کے ماتھے کا بوسہ لیا اور عقب سے وہیل چیئر تھام لی۔گلزار حبیب کی خفگی پل بھر میں غائب ہوئی تھی

"آپ کو بتایا بھی تھا میں نے کہ آج ہم واک پہ لیٹ جائیں گے۔پھر بھی آپ اتنی دیر سے انتظار کرتے رہے "نرمی سے کہتی ہوئی وہ ان کی وہیل چیئر دھکیلتی لان میں نکال لائی.

"میں نے سوچا شاید تم اپنے معذور باپ کو اپنے کام پہ فوقیت دے دو"اسے چڑانے کو وہ بولے تھے۔یوں جیسے سب سے ناراض ہوں۔ان کی بات سن کہ ذورین کے لبوں پہ بڑی محظوظ سی مسکراہٹ اتری تھی۔ مسکرانے سے دائیں گال پہ پڑتا گڑھا نمایاں ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Reviews

"Don't be self pitty advocate Gulzar Habib"

وہیل چیئر وہ اب گیٹ سے باہر لے آئی تھی۔ارد گرد دیکھتے ہوئے اس نے احتیاط سے سڑک پار کروائی۔

"مصروف ترین ایڈووکیٹ گلزار حبیب کی فرصت کے چند روز جو دو دن بعد بیرسٹر وہاج کے لوٹتے ہی ختم ہو جانے والے ہیں۔اور جو سارا دن اپنی وکالت کی کتابوں اور اپنے سٹوڈنٹس کے ساتھ بزی رہتے ہیں۔لگتا ہے انہیں اپنی نکمی سی بیٹی کا یوں انتظار کرنا کچھ خاص پسند نہیں آیا۔" وہ دونوں اب پارک میں آچکے تھے۔اس کی بات پہ ایڈووکیٹ گلزار حبیب بے ساختہ ہنسے تھے۔اور اس کا ہاتھ تھام کے اپنے سامنے کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں یہ شکوہ ہے۔۔۔ہے ناں؟" ان کے بالکل درست اندازے پہ وہ چپ رہ گئی تھی۔

ایسا ہی تو تھا۔ذورین گلزار حبیب ایک مشہور و معروف رائٹر تھی جو اپنے الفاظ سے نہ جانے کتنوں کی زندگیاں سنوار دیتی تھی۔کتنے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دیتی تھی اور کتنی تنہائیوں کو رونق میں بدل دیتی تھی۔لیکن خود اپنی زندگی میں وہ گلزار حبیب کے

سوا کوئی رشتہ نہ رکھتی تھی۔ وہ اس کا سب کچھ تھے۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، دوست اور ضرورت پڑنے پہ ایک ضدی بچے کا بھی رول ادا کر لیتے تھے۔ لیکن آج کل بیرسٹر وہاج احمد کی وجہ سے بہت مصروف ہو گئے تھے۔ وہاج ان کے بیسٹ فرینڈ اور نگزیب احمد کا بیٹا تھا۔ ایک ایکسیڈنٹ میں اور نگزیب اور ان کی زوجہ موقع پہ دم توڑ گئے۔ اس وقت وہاج کی عمر دس سال تھی

گلزار حبیب نے اسے اپنی سرپرستی میں لیتے ہوئے بورڈنگ بھیج دیا۔ ہر تین مہینے بعد وہ پاکستان کا چکر لگاتے صرف وہاج کی خاطر۔ اور اب ان کے پاکستان شفٹ ہو جانے کے بعد وہ اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ ذورین کے لیے وقت ہی نہ نکال پاتے۔ اور آج بھی اگر وہاج یہاں ہوتا تو وہ اس کے ساتھ پارک میں نہیں اس وقت وہاج کے ساتھ چائے پی رہے ہوتے۔ اب معلوم نہیں یہ وہاج کی خوش قسمتی تھی یا ذورین کی بد قسمتی کہ وہ گلزار حبیب کے تمام توقعات پہ ہمیشہ پورا اترتا تھا۔ وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ اسے بنانا چاہتے تھے۔ وہ اپنے بابا کی لاڈلہ تھی۔ ضد، غصہ، پیار سے اکثر اپنی بات منوا لیا کرتی لیکن وہاج نے کوئی قدم ان کی مرضی اور پسند کے بغیر نہیں اٹھایا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا جھکاؤ وہاج کی جانب زیادہ تھا اور ذورین نے یہ بات بہت شدت سے

محسوس کی تھی۔گہری سانس بھرتی وہ ان کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی۔ایسے کہ اب اس کا سر گلزار حبیب کی گود میں تھا۔

"آف کورس شکوہ ہے بابا۔آپ ہمیشہ اسے مجھ پہ پریفر کرتے ہیں۔مجھے لگتا ہے میں نہیں وہ آپ کی سگی اولاد ہے۔اور وہاج کے آنے کے بعد آپ اتنی محبت اور توجہ سے مجھ سے باتیں بھی نہیں کریں گے۔کبھی کبھی تو واقعی میرا شدید دل چاہتا ہے کہ وہاج کی جاب وہیں ہو جائے اور وہ پاکستان واپس ہی نہ آئے۔اسے وہاں کوئی گوری مل جائے گی اور مجھے یہاں میرے بابا" اداسی سے کہتی ان کے گھٹنے پہ سر ٹکائے وہ سامنے ڈوبتے سورج کو دیکھے گئی۔

"ایسا مت سوچا کرو زینی۔وہ ایک اچھا انسان ہے۔آج کل کے معاشرے میں اس جیسے لوگ بہت کم ملتے ہیں۔میں تو خوش ہوں کہ قیامت کے دن اورنگزیب کے سامنے سرخرو ہو سکوں گا۔تمہارا بھی بہت خیال رکھتا ہے وہ۔کل بھی تمہاری نئی بک کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ایک آپ ہیں کہ آپ کے شکوے ہی ختم نہیں ہوتے ہم باپ بیٹا سے۔ویسے وہاج کی کیا بات تمہیں بری لگتی ہے؟"اس نے زچ ہو کے سر اٹھایا۔ سیاہ آنکھوں میں خفگی در آئی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

"کتنے سوال پوچھتے ہیں ناں آپ وکیل لوگ اور وہ بھی تو وکیل ہی ہے

ایک نہیں بہت ساری باتیں ہیں۔ ویل۔۔ مجھے برا نہیں لگتا وہ۔ بس وہ ویسا نہیں ہے

جیسے لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں" وہ خفا سی دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے چہرہ موڑ گئی۔

"فائن۔ آج رات کی میڈیسن کینسل" جان بوجھ کہ اسے دھمکی دی تھی

اس نے زرا کی زرا گردن موڑ کے انھیں دیکھا۔

"وہ مجھ سے بہت مختلف ہے بابا۔ ہماری mentality کبھی میچ نہیں کرے گی۔" وہ

آزردگی سے بولی تھی۔ اس کا مطلب سمجھ کہ وہ مسکرائے۔

"ابھی تم اسے جانتی ہی کب ہو۔ وقت کے ساتھ ساتھ جان جاؤ گی اور یقین مانو میری

پسند تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔" وہ بڑے عزم سے بولے تھے۔

"اللہ کرے وہ وقت ہی نہ آئے۔" اس کی یہ معصوم سی سرگوشی انکے کانوں تک بخوبی

پہنچ گئی تھی۔

"زینی" نروٹھا سا گھر کا تھا۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں اس طرف چلتے ہیں وہاں ہوا اچھی چل رہی ہے" ان کی خفگی کو نظرانداز کرتی وہ

ان کی وہیل چیئر دھکیلنے لگی۔بحث لاحاصل تھی۔

وہ شو ختم کر کے ابھی نکلا ہی تھا کہ سر شہریار کی کال آئی۔ان کی چہکتی ہوئی آواز پہ وہ چونکا تھا۔سٹوڈیو سے نکل کر وہ اس وقت لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔آج کے شو کے چیف گیسٹ SP Ali Ahmed تھے اور ارحم جانتا تھا اس کے شو کی ریٹنگ اس وقت کیا چل رہی ہے۔تبھی معمول کے مطابق ان کی کال اٹینڈ کی تھی۔لیکن ان کا چہکتا ہوا لہجہ اسے چونکا گیا۔

" تھینکس ارحم تھینک یو سو مچ۔رمشا بحفاظت گھر پہنچ گئی ہے۔اس کے مطابق اغواکار اسے ایک جگہ باندھ گئے۔دن بھر کوئی اندر نہیں آیا۔بس ایک بارہ سال کا بچہ کھانا دینے آتا تھا۔اور پھر وہ خود ہی اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھ کہ اسے واپس چھوڑ گئے۔ اسے ایک خراش تک نہیں آئی ارحم۔

میری عزت بچانے کا شکریہ

میں جانتا ہوں خاقان عباسی کو ہاں کہنا تمہارے لیے کتنا مشکل ہوا ہو گا

لیکن ڈونٹ وری

جس طرح تم نے میری عزت بچائی، میں بھی تمہارا احسان جانے نہیں دوں گا۔ بہت جلد میں تمہاری جان اس سے چھڑواں دوں گا" لفٹ کا بٹن دبانے کے لیے اٹھا اس کا ہاتھ اٹھا رہ گیا۔ وہ بس ایک بات سوچ رہا تھا۔ "منہاز راج اس وقت اسے کہاں مل سکتی ہے"

"میری خاقان سے ابھی بات نہیں ہوئی۔ اس کے خلاف ثبوت ہاتھ نہیں آ رہا لیکن تم فکر مند مت ہو۔ میں سمجھ سکتا ہوں تم جیسے ایماندار انسان کے لئے اس کے ساتھ کام کرنا کتنا مشکل ہے۔I'll surely take care of it" اسے یاد آ گیا تھا وہ اس وقت کہاں ملے گی۔ لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے وہ دھیما سا بولا تھا۔

"میں نے خاقان عباسی کو ابھی ہاں نہیں کہی" اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے پہ پر جوش سا بولتے شہر یار خان بھی ٹھہر گئے۔

اندھیرا تھا۔۔سیاہ گھور رات ہر طرف چھائی تھی جب ایک کڑک کے ساتھ بجلی چمکی تھی۔اور اسی بجلی کی چمک میں کونے میں سکڑا سمٹا، ہولے ہولے کانپتا، خود میں سمٹتا بچہ دکھائی دیا تھا۔گھر کی ذیلی دیوار سے ٹیک لگائے وہ کانپ رہا تھا۔ تبھی خودرو اگی اس جھاڑی میں سرسراہٹ ہوئی تھی۔اس اندھیرے میں بھی وہ اس سیاہ سانپ کی چمکتی آنکھیں دیکھ سکتا تھا۔بے پناہ خوفزدہ ہوتے ہوئے اس نے اٹھنا چاہا تھا لمحہ بہ لمحہ اپنی جانب بڑھتی ان آنکھوں سے بھاگ جانا چاہا تھا۔لیکن وہ اپنے وجود کو حرکت نہیں دے پا رہا تھا۔اس نے کوشش جاری رکھی۔ایک بار۔۔۔دو بار۔۔۔۔ تین بار۔۔۔اور اب وہ آنکھیں بے حد نزدیک ہو گئیں تھیں۔اور تبھی بجلی ایک دفعہ پھر اسی زوردار انداز میں کڑکی تھی۔

"نو" پسینے سے تر چہرہ اٹھایا تھا۔آنکھیں کھول کہ گہری لمبی سانس لی تھی۔سامنے گلاس وال کے پار لاس ویگاس روشنیوں میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔وہ 16 فلور پہ بنے اپنے

اپارٹمنٹ کی اسٹڈی میں تھا۔اپنی کمپنی کی فائل دیکھتے وہ چئیر کی پشت سے سر ٹکائے نامعلوم کب سو گیا تھا۔اور پھر وہی خواب جو سال میں ایک بار ضرور اپنی جھلک دکھاتا تھا۔پھر سے اس کے لاشعور میں آدھمکا تھا۔ٹیبل پہ پڑی ٹھنڈی ہوئی کافی اٹھا کر وہ ونڈو کے پاس آگیا تھا۔اس کا ذہن کل ہونے والی کانفرنس میں پھر سے الجھنے لگا تھا۔پچھلے تین ہفتے سے اس کی کمپنی اس کانفرنس کے ارینجمنٹس میں بے طرح مصروف تھی جس میں لاس ویگاس کے تمام بزنس ٹائیکونز نہ صرف مدعو تھے بلکہ اپنی اپنی کمپنی کی سیلز پرائس کی رپورٹس بھی present کرنے والے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور وہ۔۔

عالمین احمر۔۔۔

کچھ دیر پہلے والے اس ہیبت ناک خواب کے بجائے اپنے کام کو سوچ رہا تھا۔

عجیب سالگتا ہے ناں سننے میں؟ مگر وہ عجیب ہی تھا۔وہ خوف پہ قابو نہیں پاتا تھا۔وہ خوف کے ساتھ جیتا تھا۔وہ خوف سے خوف نہیں کھاتا تھا بلکہ وہ خوف سے دوستی کر لیا کرتا تھا۔

اور کسی کو ہرانے کے لیے بعض اوقات اسے دوست بھی بنانا پڑتا ہے۔

"منہا" وہ اس کے سر پہ پہنچ کے تقریباً چلایا تھا۔ٹرالی گھسیٹتی منہا نے ایک نظر اسے دیکھا اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ سے ریک میں لگے جار کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ وہ اس وقت گروسری کر رہی تھی جب ارحم شعلہ جوالہ بنا اس کی طرف لپکا آیا تھا۔

"آہستہ بولو ارحم میں بہری نہیں ہوں اور نہ ہی یہ تمہارا بیڈروم ہے جہاں تم جس طرح چاہو گلا پھاڑ سکتے ہو۔ یہ گروسری سینٹر ہے اور یہاں یہ چیخم دھاڑ بالکل الاؤڈ نہیں ہے پرائیویسی ڈسٹرب ہوتی ہے" وہ ریکس کی جانب اشارہ کرتی ہوئی اطمینان سے بولی تھی۔

"پرائیویسی مائی فٹ" اس نے دانت پیسے تھے۔ "یہ بتاؤ خاقان عباسی کے ساتھ کیا کیا ہے تم نے" اب کہ وہ دھیما بولا تھا۔ لیکن آواز میں دباد باغصہ تھا۔وہ منہا زراج کو

اچھی طرح جانتا تھا۔اس کی جان چھڑانے کے لیے یقیناًاس نے کوئی حربہ آزمایا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔کیوں کیا ہوا" وہ ایسے بے فکری سے پوچھ رہی تھی گویا کسی اور کی بات ہو رہی ہو۔وہ دونوں اب ساتھ۔چل رہے رہے تھے۔منہا کے ہاتھ میں ٹرالی تھی جسے لیے لیے وہ کسی ریک پہ رکتی،کوئی چیز اٹھا کر الٹتی پلٹتی اور ٹرالی میں اچھال دیتی۔اب تک اٹھائی جانے والی ہر چیز اس کی ٹرالی میں موجود تھی۔اب معلوم نہیں وہ صرف لینے والی چیز اٹھاتی تھی یا اٹھانے والی چیز لیتی تھی۔ارحم نے ایک نظر اس کی ٹرالی پہ ڈالی تھی جو میٹھی چیزوں سے بھری تھی اور ارحم جانتا تھا اپنے ہر پلان کے بعد وہ خریداری ضرور کرتی تھی۔کامیابی کی صورت میں میٹھی چیز کی اور ناکامی کی صورت میں اس کی ٹرالی ترش چیزوں سے بھری ہوتی تھی

"رمشا شہریار واپس آگئی ہے" اس کی بات پہ منہا جھٹکا کھا کہ اس کی جانب مڑی۔

اس کے انداز پہ ارحم بے زار ہوا۔

اب یہ اوور ایکٹنگ ہو رہی ہے منہا۔شرافت سے بتادو کیا ٹرک کی ہے اپنے بھائی کے لئے مشکل پیدا کرنے والے کے ساتھ" اس کی بات پہ وہ محظوظ سا مسکرائی۔

"کچھ خاص نہیں بس اس کی لیڈر گارمنٹس کی فیکٹری میں آگ لگوادی" کمال کا سکون تھا۔

"تھینک گاڈ" ارحم نے سکون بھری سانس لی۔

"میں سمجھا شاید کسی ایک کو توموت کے گھاٹ اتار ہی دیا ہوگا" وہ جیسے اب اک بوجھ سے آزاد ہوا تھا اس کے ہاتھ سے ٹرالی لے لی۔

"لیکن سوچنے کی بات ہے اس نے یقین کیسے کیا اتنا گھامڑ وہ لگتا تو نہیں"

"رہنے دو۔ سیاسی لوگوں سے بڑھ کہ کوئی بے وقوف ہو سکتا ہے۔ جاہل وڈیرہ۔ آف کورس اسے یقین کرنا پڑا he had no other options میں نے آگ کے شعلوں میں گھری مشینری اسے وڈیو کال پہ دکھاتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ ابھی اور اسی وقت رمشا کو گھر بھیجے اور تمہاری شمولیت کی خواہش سے دستبردار ہو جائے ورنہ جو آگ ابھی چند مشینوں تک محدود ہے تاخیر کی صورت میں پوری فیکٹری کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے"

وہ مزے سے بتاتی گئی۔ ارحم نے ستائشی اسے دیکھا۔

www.neweramagazine.com

"اور اگر جو وہ پولیس کو کال کر لیتا یا کچھ اور؟"

"اتنی مہلت کب دی تھی میں نے اسے۔ منہاز راج آپشنز نہیں دیتی۔ حکم دیتی ہے۔ تعمیل نہ کرنے والا نتائج کا زمہ دار خود ہوتا ہے۔" انداز میں بلا کی خوداعتمادی تھی جسے خودشناسی بھی کہا جاسکتا تھا

"اچھا پلان تھا ویسے یہ سب تم نے کیا کیسے" یونہی غیر ارادی سا پوچھا تھا۔

منہا رک گئی۔ مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنی کامیابی شئیر کرنا اچھی بات ہی سہی لیکن کامیابی کا راز شئیر کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ اور میں ہر گز بھی بے وقوف نہیں ہوں" اب بھلا وہ اسے تھوڑی بتا سکتی تھی وہ سارا سین اس نے کیسے سیٹ کیا تھا ایک عام ورکر بن کہ اس کی فیکٹری کے manufacturing area کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک پرانک سیٹ کیا تھا اور خاقان عباسی کو بے وقوف بنایا تھا اور واہ!! وہ کتنی آسانی سے بے وقوف بن گیا تھا۔

وہ کندھے اچکا کہ لاتعلقی سے آگے بڑھ گئی تو وہ ٹرالی اٹھائے اس کے پیچھے چل دیا۔

ہونٹوں پہ نرم مسکراہٹ لئے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یوں جیسے وہ واقعی نہیں جانتا تھا۔

وہ صبح بڑی بیزار کن تھی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی مسلسل دھوپ بھی زورین گلزار حبیب کو اٹھا نہیں پائی تھی۔ کسلمندی سے کروٹ بدل کر تکیہ منہ پہ رکھا تھا۔ آنکھیں بند کئے ہوئے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا فون سائڈ ٹیبل سے اٹھایا۔ ایک آنکھ کھول کر نوٹیفیکیشن چیک کئے تھے۔ میلز بھری پڑی تھیں۔ بے دلی سے فون ایک سائڈ پہ ڈال کہ وہ سیدھی ہو لیٹی تھی۔ تکیہ بازوؤں میں بھینچے آنکھیں پوری کھولے وہ چھت کو گھورتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ بے زاریت بڑھتی جا رہی تھی۔ آج 20 ستمبر تھی وہاج کی آج واپسی کی فلائٹ تھی۔ اور ریسیو کرنے بھی اسے ہی جانا تھا

سپیشل آرڈر بائے گلزار حبیب۔

چڑتے ہوئے اس نے سیاہ بالوں کو جوڑے میں قید کیا تھا۔

یہ لاس ویگاس کا ایک سنسان ذیلی علاقہ تھا جس کے وسط میں ایک لمبی سیاہ سڑک رات کے اس پہر مکمل ویران پڑی تھی۔ارد گرد کچھ زیر تعمیر عمارات تھیں۔جن کے ڈھانچے اس سیاہ رات میں بالکل خاموش کھڑے تھے۔تبھی نسبتاً فاصلے سے سڑک پہ روشنی کا ایک کہ نمودار ہوا تھا فاصلہ کم ہوتا گیا اور ہیولہ ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں تبدیل ہو گیا۔اس ٹرک کے اگلے حصے میں دو افراد بیٹھے تھے۔ایک گن بردار انگریزی نقوش کا حامل برطانوی اور دوسرا سیاہ فام ڈرائیور۔

اس کے سیاہ گھنگریالے بالوں کی ابھو نسلہ سا سر پہ پڑا تھا۔موٹے سیاہ ہونٹ اور چمکتی آنکھیں۔

ٹرک کی رفتار سست تھی۔بالکل کسی نو عمر دوشیزہ کی نیند کی روانی کی مانند۔گن مین وقتاً فوقتاً اونگھ رہا تھا جبکہ ڈرائیور کسی مشاق کی سی مہارت سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

سڑک کے عین وسط میں ایک جھٹکا لگا تھا۔اور ٹرک رک گیا۔سیاہ فام نے حیران ہوتے ہوئے دوبارہ چابی گھمائی اور ایکسلیریٹر پہ دباؤ دیا تھا۔ہلکی سی گھڑ گھڑاہٹ کے بعد انجن بند ہو گیا۔اونگھتا ہوا گن بردار بھی سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"What happened?"

اس نے پوچھا تھا جوابا ڈرائیور غصی میں اپنی مقامی زبان میں کچھ کہتا دروازہ کھول کہ باہر نکل گیا ابھی وہ بونٹ کی طرف مڑا ابھی نہیں تھا جب اس کے سر کے پچھلے حصے پہ ایک زوردار ضرب آن پڑی تھی۔اس اچانک حملے سے وہ دیوتا کرنیچے گرپڑا تھا مارنے والے نے اسی پہ بس نہیں کی۔ایک زوردار لات اس کے بے دم ہوئے وجود کو رسید کرتے ہوئے جھک کر اس کو بالوں سے پکڑتے ہوئے جھٹکا دیا تھا اگلے ہی پل وہ اس کا سر زمین سے پٹخ رہا تھا۔وہ طویل القامت، بھاری جثے والا سیاہ فام اپنے دفاع کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن پے در پے پڑنے والی ضربوں نے اسے مہلت نہ دی۔ہاں اس کے ڈوبتے ہوئے دماغ نے اپنے ساتھی کی لاپرواہی کے متعلق ضرور سوچا تھا۔

بے چارہ باوردی گن مین۔

جو اس وقت خالی ہاتھ، ماتھے پہ آنکھ کے پاس نیل کا نشان لئے اپنے پیٹ میں پڑنے والے زوردار مکوں کے باعث اوندھا سا ہوا ٹرک کے پچھلے حصے کا ڈھکن اٹھا رہا تھا۔اس کی کنپٹی ہ پستول رکھے وجود کا چہرہ ماسک میں چھپا تھا۔وہ ایک لمبی الانف کوٹ پہنے تھا۔ ہاتھوں ہ پلاسٹک کے سیاہ دستانے چڑھا رکھے تھے۔اور مہارت سے پستول تھام رکھا تھا

۔قبل اسکے کہ وہ ڈھکن اٹھاتا۔سپید انگلیوں نے ٹر گرد بادیا تھا۔

خاک ہوئے ہم تہی داماں ہوئے ہیں

مرحلے عشق کے بھی کبھی آسان ہوئے ہیں؟

تجھ سے ممکن ہی نہیں مرے مرض کی تشخیص اے طبیب

زخم اپنوں کے عیاں غیروں پہ کہاں ہوئے ہیں۔

رات کی گود سے لے کر کوئی ٹوٹا ہوا تارا۔

ہم زمین والے بھی کوئی آسمان ہوئے ہیں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

راہ میں کھو گئی جو منزل اسی ڈھونڈیں کیسے۔

قافلے وعدوں کے ترے نذر طوفان ہوئے ہیں۔

ان سے امید محبت ہے سراسر نادانی

دل کو توڑنے والے بھی مہربان ہوئے ہیں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دل پہ گزری جو فقط تو نے ہی سمجھی یارب

پر کہاں شکر گزار تیرے یہ انسان ہوئے ہیں۔

ائیرپورٹ کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ بے دلی سے چلتی عمارت کی جانب بڑھ رہی تھی جب سامنے سے آتے شخص سے بری طرح ٹکرا گئی۔ہاتھ میں تھاما فون نیچے گرا تھا۔کندھے میں اٹھتے درد کو نظرانداز کرتے اس نے

جھک کر فون اٹھایا تھا۔ سکرین سلامت دیکھ کر تشکر بھرا سانس لیا تھا اور تبھی نظر سامنے موجود شخصیت پہ پڑی تھی۔

"آئی ایم سوری میم۔" ارحم لاشاری نے جلدی سے اسے متوجہ ہوتے دیکھ کر کہا تھا مگر زورین گلزار کے چہرے پہ پھیلتی ناگواری اسے شدید حیرت میں مبتلا کر گئی تھی۔ کیوں کہ وہ اسے نہیں کسی اور کو دیکھ رہی تھی۔ گردن موڑ کے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے کے بعد دوبارہ اس کا چہرہ دیکھا تھا جواب سختی سے لب بھینچے اس بندے کی جانب بڑھی تھی۔

"عجیب لڑکی ہے" وہ محض سوچ کر رہ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بعض اوقات انسان خود پہ گزرنے والا حادثہ اتنی خاموشی اور حوصلے سے سہہ جاتا ہے گویا وہ دل خراش حادثہ اس کی زندگی میں ہوا ہی نہیں اور کبھی، دل پہ لگنے والی چھوٹی بے حد معمولی سی چوٹ انسان کو پورے قد سے گرا دیتی ہے۔

"And the award for best screenplay writer of the year goes to...Zorain Gulzar habib"

ٹی وی لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز گلزار حبیب ہاتھ میں ریموٹ تھامے نیم والبوں سے سکرین دیکھ رہے تھے جہاں میزبان زورین کے نہ آ سکنے کا کوئی مناسب ریزن دیتے ہوئے ایوارڈ لے رہی تھی۔بے حد حیران کن نظر انھوں نے رف حلیے میں اندر آتی کیچر دانتوں میں دبائے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتی زورین پہ ڈالی۔

"یہ کس دن کی بات ہے اور اتنے اہم موقع پہ کون سی ایمر جنسی آ گئی تھی آپ کو" بے حد ناراضگی سے اس سے پوچھا تھا جو ان کے بالکل ساتھ آ بیٹھی تھی۔بال باندھنے کے بعد اس نے سکون سے فروٹ باسکٹ میں سے سیب اُٹھایا۔دھیرے دھیرے دانتوں سے کترتی وہ ان کی بات پہ مسکرائی تھی۔

"بابا آپ تو جانتے ہیں یہ ایوارڈ شوز میرے بس کی بات نہیں ہیں۔انسان کو وہاں جا کے انسانوں سے نہیں روبوٹس سے ملنا پڑتا ہی۔منافقت میں لپٹے،اپنائیت کا ملمع چڑھائے لوگ۔اور آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ زورین گلزار حبیب ایسی منافقت میں خود کو نہیں

ڈھال سکتی۔"

اس نے صاف جواب دیا تھا۔اپنی بیٹی کی اس عادت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود ان کی خفگی کم نہ ہوئی تھی۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو زینی۔۔بلاوجہ ناشکری نہیں کرتے۔اگر اللہ نے آپ کو دوسرے لوگوں سے کچھ مختلف مقام دیا ہو تو اس کی مخلوق کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اس کی عطا کو خوشی سے قبول کرتے ہیں"

"پلیز بابا میں نے ایسا تو کچھ نہیں کیا کہ اللہ پاک ناراض ہوں۔بڑی عقیدت سے وہ ایوارڈ اپنے الماری میں سجا کہ رکھ دیا ہے"

"پروفیشنل ازم بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔آپ کا لوگوں سے ملنا ملانا ہو گا تو آپ کی ابزرویشن مضبوط ہو گی ناں"

پروفیشنل ازم مائی فٹ "اس نے سر جھٹکا تھا" ابھی آپ کو اندازہ نہیں ہے اس ایوارڈ کی کیا قیمت چکائی ہے میں نے۔ہمارے ڈائریکٹر صاحب نے اپنے چینل کی کئے تین ڈرامے لکھوانے کا کانٹریکٹ سائن کروایا ہے۔یو نو بابا ___ سی لیے مجھے ان ایوارڈز میں

دلچسپی نہیں ہوتی۔آپ اپنے لئے نہیں۔۔اپنے فیم کے لئے کام کرتے ہیں اس کے بعد۔اور لکھائی ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق ڈائریکٹ دل سے ہوتا۔روح سے رشتہ ہوتا ہے اس کا۔جب تک آپ کا دل اس سچویشن میں ڈھل نہ جائے آپ کچھ لکھ نہیں پاتے۔آپ کا من راضی نہ ہو تو صفحے بھی کالے نہیں ہوتے۔بھلا کون یوں گن پوائنٹ پہ ڈرامے لکھواتا ہے"اس نے چہرے کے زاویے خطرناک حد تک بگاڑ لئے۔

"But this is a viewer voted award"

انھوں نے جیسے اسے یاد دلایا تھا۔

"Whatever"

اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔آدھ کھایا سیب ڈسٹ بن میں اچھالتی وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پچھلے دو گھنٹے سے انتظار کرتے اس سیٹ پہ موجود سب ہی افراد بے زاریت سے اس شخصیت کو کوسنے میں مصروف تھے۔ مہمانوں کو ان سے پوچھے جانے والے سوالات اور ان کا بیک گراؤنڈ اچھی طرح باور کروا دینے کے بعد پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنے موبائل پہ بزی ارحم لاشعوری طور پر اس چہرے کا منتظر تھا جو ہاٹ فیورٹ ہونے کے باوجود سکرین سے ابھی تک اوجھل تھا۔ پچھلے تین سال سے بیسٹ سیر یلز دینے کے باوجود کوئی چینل آج تک اسے انٹرویو نہیں کر سکا تھا۔ آج کے شو کے لئے اسے کیسے منایا گیا تھا، ارحم اس سے قطعی لاعلم تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے فینز اسے دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔

تبھی ہال کی کونے پہ وہ نمودار ہوئی تھی۔ جینز کے وائٹ ٹراؤزر پہ بادامی اور بلیو پرنٹ کی شرٹ کے ساتھ چہرے کے گرد بلیو حجاب لے رکھا تھا۔ ایک ہاتھ پہ نازک گھڑی پہنے دوسرے ہاتھ سے آئی فون تھامے وہ اس بھرے مجمعے میں سب سے ممتاز دکھائی دیتی تھی۔ اٹھی گردن کے ساتھ گہری سیاہ زہین آنکھیں۔ سنہری رنگت اور کٹاؤ دار لبوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک لگائے۔ چھوٹی سی کھڑی ناک اور خمدار پلکیں۔۔

ارحم لاشاری کی وہ پہلی نظر کبھی نہ پلٹنے کے لئے اٹھی تھی۔

بلاشبہ وہ وہی تھی جو اسے تین دن قبل ائیر پورٹ پورٹ کی پارکنگ میں ٹکرائی تھی۔

چونکا وہ تب جب اس کا ڈائریکٹر تیزی سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھا تھا۔ساری ٹیم الرٹ ہو گئی تھی۔

"ویلکم مس زورین۔امید ہے یہاں پہنچنے میں آپ کو کسی مشکل کا سامنہ نہیں کرنا پڑا ہو گا۔"

تو یہ تھی زورین گلزار حبیب۔

اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے ارحم لاشاری بے ساختہ کنفیوز ہوا تھا۔اس کے لکھے گئے سیر یلز کے سب کردارا تنے مضبوط اور پختہ ہوتے تھے کہ وہ کسی مڈل ایجڈ،عام سے خدو خال والی کوئی شخصیت ایکسپکٹ کر رہا تھا۔مگر سامنے کھڑی وہ طرح دار حسینہ محض ایک نوعمر دوشیزہ لگ رہی تھی۔

10منٹ کے مختصر وقت میں سیٹ اپنے ترتیب کو پہنچا تھا۔آج کے شو کی باقی دو شخصیات سیاست سے تعلق رکھتی تھیں۔جن کے بارے میں اسے ایک سو ایک فیصد یقین تھا کوئی بھی نہیں دیکھے گا۔

"آج کا شو زورین کا شو ہے ارحم اس وقت ریٹنگ دو ملین سے بھی زیادہ چل رہی ہے اس لئے میں ہمارا فوکس زیادہ سے زیادہ زورین پہ ہو گا"

کان میں ابھرتے آلے میں ڈائریکٹر کی آواز سنتے وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا جو پہلے نمبر کی کرسی پہ براجمان عدم دلچپسی سے ارحم کو اپنا تعارف کراتا دیکھ رہی تھی۔اس کے اگلے پچھلے سب سیریلز گنوانے کے بعد جب اس نے زورین کو دیکھا تو اس کا چہرہ بالکل بے تاثر ہو چکا تھا۔

باقی دو ہستیوں کا بھی تعارف کروا کے وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"مس زورین ہماری عوام آپ کو دیکھنے کے لئے بے چین تھی اور آج سکرین پہ جلوہ افروز ہو کہ بالآخر آپ نے ان کی بے تابی کو قرار بخش ہی دیا۔اتنا عرصہ اپنے فینز کو انتظار کروانے کی آخر کیا وجہ تھی۔اور کیا واقعی آپ کا ایوارڈ شوز میں نہ آنا بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہے؟"

اس کے سوال پہ زورین مسکرائی تھی۔جانتی تھی پہلا سوال اسی متعلق ہو گا۔

"ان فیکٹ ارحم لاشاری آپ اسے میری نیچر کا ریزرو ہونا بھی کہہ سکتے ہیں یا واٹ

ایور۔ لیکن مجھے ایکسپوز ہونا کسی بھی لیول پہ کبھی پسند نہیں رہا۔ یہ فیم اور پاپولیریٹی جن لوگوں نے مجھے دی اس کے لئے میں ان کی شکر گزار ضرور ہوں لیکن مجھے میرے انداز میں رہنا پسند ہے۔ میں چاہتی ہوں لوگ مجھ سے ملیں تو میری پرسنالٹی کے مطابق بات کریں ایک عام انسان سمجھ کر، نہ کہ کوئی سلیبرٹی سمجھ کر۔ لوگوں کی نظروں میں آنا، پانے بارے میں کمنٹس سننا، either good or bad یہی وجہ ہے کہ میں کسی بھی قسم کی گیدرنگ سے دور رہتی ہوں۔

I like to be an" ordinary person"

اس کے جواب پہ ارحم نے تائیدی سر ہلایا تھا۔ پختہ کردار لکھنے والی وہ چھوٹی سی لڑکی خود بھی پختہ خیالات کی مالک تھی۔

"Very well۔ "

"ویسے اس سال ایوارڈ شو میں ہم آپ کو بذات خود ایوارڈ لیتے دیکھنے چاہتے تھے کیوں کہ یونو اپنے فیورٹ کیریکٹر کو ایوارڈ مل جانے کی خوشی اور اس سمے اسے دیکھنا دونوں ہی بڑی ایکسائٹنگ چیزیں ہوتی ہیں آڈینز کے لئے۔ ایسا لگتا ہے اپنے فن کی داد کا یہ انداز آپ کو کچھ خاص پسند نہیں۔"

سہج سہج کر بولتا وہ حاضرین کے خیالات اس تک بہم پہنچا رہا تھا

"یقیناً آپ صحیح کہہ رہے ہیں لیکن بیسٹ رائٹر بننا میرا خواب کبھی بھی نہیں رہا۔ میں اپنے علم سے بس لوگوں کو فایدہ پہنچانا چاہتی تھی خاص طور پہ ہمارے معاشرے کی کمزور عورت کو جسے اسلام نے تمام حقوق دئے اس کے باوجود مرد کے استحصال میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ زمہ داری نبھانا بہت اچھی بات ہے لیکن اپنے آپ سے آگاہی ہونا، اپنے حقوق کا مکمل ادراک رکھنا ہی ہماری عورت کو اس Male dominant society میں جینا سکھا سکتا ہے۔ اور میرا مقصد بھی یہی ہے۔ ایک رائٹر کا فرض اس وقت پورا ہو جاتا ہے جب اس کے لفظوں اور کرداروں سے انسپائریشن لے کر کوئی اپنے آپ کو بدلے اپنے زندگی کو بدلے اور ایک بہادر، نہ ہارنے والی زندگی جیئے۔ ان ایوارڈ شوز کا ملنا تو بس اک شو کا حصہ ہے۔ اور ویسے بھی اس سال یہ ایوارڈ میں نہیں مس دانیہ قمر ڈیزرو کرتی تھیں۔ ان کا سیریل ایمان شکن ایک نہایت حساس موضوع پہ لکھا گیا، کافی نڈر ناول تھا" اس نے بڑی آسانی سے اپنے حصے میں آنے والی داد کا ٹوکرا کسی اور کی جانب دھکیل دیا تھا۔

اور یہاں لوگ ایوارڈز کے لئے مرنے مارنے پہ تل جاتے ہیں۔ اس کی بات پہ ارحم

حیران ضرور ہوا تھا مگر بظاہر دوسرے مہمانوں سے چند سوالات کرنے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"مس زورین کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔اپنی تعلیم کے بارے میں۔"

"میری ابتدائی تعلیم Cardiff high school whales میں ہوئی جہاں۔۔۔۔"

ارحم کو بے ساختہ اس کی بات کاٹنی پڑی۔

"Are you British national"

"جی بالکل۔اپنی زندگی کے 21 سال میں نے ویلز میں گزارے ہیں۔" اس کا یوں بات کاٹنا زورین کو بے حد برا لگا تھا جبکہ ارحم تو کیا وہاں موجود ہر شخص شاکڈ تھا۔وہ اردو کی ایک منجھی ہوئی مصنفہ اور شاعرہ تھی اور اب اس کا انگلش ہونا۔۔۔یہ خیال بڑا نا قابل یقین تھا۔

"Interesting"

ارحم کو اب مزہ آنے لگا تھا۔پرت در پرت کھلتی یہ لڑکی اس کی سوچ سے بڑھ کر حیران

کن ثابت ہوئی تھی۔

"آپ کے سیریل کا ایک ڈائیلاگ تھا جس نے سوشل میڈیا پر کافی مقبولیت حاصل کی۔

"محبت اگر خواب دریچے پہ رکھا دیا ہے تو جان لو اس کا شعلہ سب سے پہلے پلکوں کو جلاتا ہے اور پھر آنکھوں کو برباد کر کے دل کی جانب لپکتا ہے" محبت پہ اتنا گہرا تجزیہ اس تجربے سے گزرے بغیر تو نہیں آسکتا"

"پہلی بات تو یہ مسٹر ارحم کہ ہر جزبے کو بیان کرنے کے لئے اس کا خود پہ بیتنا ضروری نہیں ہوتا۔ اور دوسری بات۔ محبت کی ہزار قسمیں ہیں اور محبت اپنے ہر رنگ میں صرف ازیت ہی ہے"

"اوکے تو مس زورین اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ انگلش معاشرے میں گزارنے کے باوجود آپ کے کام اور کردار دونوں میں اسلامی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ اس کی کوئی خاص انسپریشن اپ کی لائف میں؟"

"آف کورس مائی بابا۔ I was just 3 years old جب میری مدر کی ڈیتھ

ہوئی۔تب سے لے کراب تک انھوں نے میرے لئے ہر رول نبھایا۔ماں، باپ، بہن، بھائی، دوست۔ان کی زات سے میں نے ہر رشتہ پایا ہے۔میں آج کسی قابل ہوں تو صرف اپنے بابا کی وجہ سے۔"اس کے لہجے سے پھوٹتی بے تحاشہ محبت وہاں موجود سبھی افراد نے محسوس کی تھی۔

"مس زورین آپ کو نہیں لگتا آپ اپنے ایوارڈ ان کو ڈیڈیکیٹ کرنا چاہتیں تو ھمارے ویورز کو اندازہ ہو پاتا کہ والدین سے بڑھ کہ انسان کی کوئی انسپریشن نہیں ہو سکتی۔اپنی ویزواٹس یورا تج؟"

یہ سوال ارحم کی ترجیحات میں شامل نہیں تھا مگر نہ جانے کیسے وہ کر گیا تھا۔

"24 سال 4 مہینے۔ویل جو مشورہ آپ مجھے دے رہے ہیں اس پہ عمل میں بیت سال پہلے کر چکی ہوں۔10 سال کی عمر میں اپنے سکول کی جانب سے بیسٹ لیریکل آرٹسٹ کا ایوارڈ میں نے اپنے بابا ہی کو ڈیڈیکیٹ کیا تھا۔اور آج بھی ابھی اس وقت۔۔۔"وہ شرارتی سا مسکرائی۔"مجھ سے ہمیشہ اس بات پر خفا رہنے والے میرے باباجانی۔I know you are watching me and I would like to say that اپ میری زندگی کی سب سے قیمتی بلیسنگ ہیں۔اگر آپ

نہ ہوئے تو آپ کی زورین بالکل خالی ہاتھ رہ جائے گی۔"اس کی آواز ہلکے سے بھرائی تھی مگر وہ مسکرا رہی تھی۔ارحم کو بریک لیناپڑا تھا۔ تبھی زورین کے سیل پہ کال آئی تھی۔دومنٹ بات کرنے کے بعد وہ ڈائریکٹر سے ایکسکیوز کرتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

"تو تم مجھے برباد کرناچاہتے تھے ؟"دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"لیکن مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے ہادی صاحب کہ مجھے برباد کرنے کی بجائے اپنی زندگی میں ایک ناپسندیدہ ہستی کو شامل کر کے آپ خود کو تباد کر چکے ہیں۔ مجھ پہ کسی اور کو برتری دے کر،میرے مقابلہ میں آ کر کچھ زیادتی نہیں کر بیٹھے اپنے ساتھ۔ چچ چچ ویری سیڈ۔کیسے گزاریں گے آپ اپنی ساری زندگی ایک ان چاہے انسان کے ساتھ ہادی ذوالفقار صاحب" چباچبا کہ بولتی وہ اس کے ضبط کا امتحان لے رہی تھی۔پر سکون رہنے کی سب کوششیں ناکام ہوتی دیکھ کر وہ دھاڑا تھا۔

"بس۔ایک لفظ بھی اور نہیں۔تم جیسی عورت محبت تو کیا ترس کھانے لائق بھی نہیں تھی۔میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو تم۔تمہیں چھوڑنے کے فیصلے پہ زرہ بھر پشیمانی نہیں ہے مجھے۔ہو کیا تم ہاں؟جھوٹی،دھوکے باز،فریبی عورت۔کتنے جھوٹ بولے تم نے مجھ سے۔کتنا پاگل تھا میں تمہارے لیے۔اندھا اعتبار کرتا تھا تم پر اور تم نے واقعی مجھے اندھا ثابت کر دیا۔کیا سمجھا تھا میں اور کیا نکلی تم۔آسمان پہ بٹھانے چلا تھا تمہیں۔زمین پہ پڑی مٹی کے ذرے سے بھی حقیر نکلی تم"

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ۔بے انتہا مضبوط علیزے کا کب سے خاموش پڑا دل سینے میں چیخ پڑا تھا۔

جن لبوں سے آپ ہمیشہ نرم الفاظ سننے کے عادی رہے ہوں،نہ جانے وقت ان لہجوں میں کانٹے کیوں بھر دیتا ہے۔

اگر وہ تین سال پہلے کی علیزے ہوتی تو اس شخص کی اتنی نفرت و حقارت کے باوجود شاید اس کے پاؤں پڑ جاتی۔واسطے دیتی۔بچھڑنے کے تصور سے ہی کانپ جانے والی علیزے حسن کی آنکھوں میں آج اس کی سفاکیت پہ ایک آنسو تک نہیں آیا تھا۔بڑے سکون سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بولی تھی۔

"تمہیں تمہاری ان غلط فہمیوں میں بھٹکنے کا پورا حق ہے ہادی ذوالفقار۔اور میں دعا کرتی ہوں کی یہ بدگمانیاں کبھی نہ دھلیں۔اگر تم سچ جان گئے تو اپنے نقصان پہ اتنی بری طرح تڑپو گے خیر۔۔۔کسی چیز کو ایکسپلین نہیں کروں گی میں۔کہ تم میرے الفاظ کے قابل ہی نہیں ہو"اس کی آنکھوں سے اب تپش نکلنے لگی تھی۔"میری محبت بہتان، گالیوں یا بے اعتباری کی زد میں آنے والی چیز ہی نہیں تھی ہادی ذوالفقار۔لیکن یہ بات تم نہیں سمجھ سکتے۔اس زندگی میں تو کیا۔اس جیسی سات زندگیوں میں بھی محبت تم پہ اپنا در نہیں کھولے گی کیوں کہ محبت تم جیسی سفاک روحوں پہ اترنے کے لئے بنی ہی نہیں ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے مجھے چھوڑنا تمہارا فیصلہ تھا؟نہیں۔بلکہ تم سے یہ فیصلہ تقدیر نے کروایا ہے کیوں کہ کیا ہے ناں یہ جو تمہارا بے ایمان دل ہے ناں، یہ میری پاک اور بے حد خاص محبت کے قابل ہی نہیں تھا۔ان فیکٹ تمہاری اوقات سے زیادہ تھی میری محبت۔تم نے مجھے نہیں اپنی زندگی کا سکون کھویا ہے اور اس چیز کا اندازہ تمہیں اپنی زندگی کے اک اک پل میں ہو گا"سپاٹ لہجے میں کہتی وہ اس سمے کوئی پتھر لگ رہی تھی۔

"کٹ"ڈائریکٹر کی پاٹ دار آواز گونجی تو وہ دونوں اپنی جگہ ریلیکس ہوئے۔اس ٹاپ

ایکٹریس کی نخوت بھرے چہرے پہ وہی بے زاری اور رعونت عود آئی تھی جو شہرت کے نشے میں چور کسی بھی انسان میں آجاتی ہے۔

چند لمحے قبل کی جانے والی ایکٹنگ حقیقتاً ایکٹنگ تھی۔

سیکرٹری کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتی وہ سیٹ کی جانب آئی تھی۔

"کیا کمال لکھا ہے کسی نے۔اتنے خوبصورت اور آسان الفاظ میں کسی مرد کو اسکی اوقات یاد دلانے کا تجربہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا" وہ خوشامدی انداز میں اب ڈائریکٹر کے پاس آکر بولی تھی جو اس پہ اک سرسری نگاہ ڈال کہ ہوں میں جواب دینے کے بعد سکرین کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"کلک،کلک،کلک" تین تصاویر ایک ساتھ کھینچنے کے بعد اس نے کیمرہ آنکھ سے زرا دور کر کے امیج دیکھا تھا۔Nikon D5600 کی سمارٹ سکرین کو زوم ان کیا۔سر

اٹھا کہ سامنے پھیلی عمارت کو دیکھا تھا اور مطمئن ہوتے ہوئے کیمرہ چھوڑ دیا جو ہلکے سی جھٹکے سے اس کی گردن میں جھولنے لگا۔ پی کیپ کے اوپر رکھی سن گلاسز آنکھوں پہ لگائیں، کندھے پہ لٹکتے بیک پیک سے پانی کی بوتل نکال کر ہونٹوں سے لگاتی، ناقدانہ جائزہ لیتی وہ آگے بڑھ گئی۔

وہ اپنے فرینڈز کے ساتھ ملتان آئی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے مختلف مقامات کی سیر کرتے آج اس کا ارادہ واپسی کا تھا جب صبح اسے ڈائریکٹر کی کال موصول ہوئی۔ انھیں جب اس کے ملتان ہونے کا پتہ چلا تو چوں کہ وہ بھی اپنے سیریل کی شوٹ کے لئے یہیں مقیم تھے سو اس سے کچھ ڈسکس کرنے کو میٹنگ ارینج کر لی اور ابھی شمس تبریز کے مزار پہ گھومتی گھامتی وہ یہیں کہیں ہونے والی شوٹ کو دیکھتی آگے بڑھ رہی تھ۔ ایک دفعہ کال کرنے کا خیال بھی آیا مگر اگلے ہی پل رد کر دیا۔ بلیک سٹریٹ ٹراؤزر پہ پرپل کاہیٔ مینیشن کی شارٹ فراک پہنے، بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے، گلی میں دوپٹہ لپیٹ کہ دونوں پلو آگے کو گرا رکھے تھے سر پہ پہنی پی کیپ دھوپ سے بچانے میں کسی حد تک معاون ثابت ہو رہی تھی۔

قدرے دائیں جانب سے آنے والی آوازوں پہ وہ چھوٹے قدم اٹھاتی اسی طرف کو آ

گئی۔

سیٹ کی مخصوص گہما گہمی سے بے نیاز وہ بڑے سکون سے آکر سائڈ پہ چھتری کے نیچے رکھی کرسی پہ آبیٹھی۔ وہاں موجود ہر چیز کو کمال ملکیت سمجھتے ہوئے سب چیزیں ٹیبل پہ رکھ کہ نیم دراز سی بیٹھی وہ ہینڈز فری دونوں کانوں میں لگا کر کچھ ہی فاصلے پہ مصروف ملک ریاض کو دیکھے گئی۔

سیٹ پہ افرا تفری کا عالم تھا۔

یہاں سے وہاں بھاگتے سپاٹ بوائز، فوٹو گرافرز، اور سکرین کے آگے جم کے بیٹھا چار پانچ لوگوں کا مجمع۔۔۔

کسی کو بھی اس کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔

اور یہی تو اس کی خاص بات تھی۔ اس کی آمد کتنی خاموش ہی سہی مگر اس کا جانا سب کو ہلا جاتا تھا۔

"ایکسکیوز می مس" زوردار پکار پہ اس نے کان سے ہینڈ فری نکالا۔ مقابل کو گھورا تھا۔

گردن موڑ کر اس طرح دار حسینہ کی طرف دیکھا تھا جو ٹی شرٹ کے ساتھ لانگ

ٹراؤزر پہنے، چہرے پہ زمانے بھر کا تحکم لیے وہ اس ڈرامے کی ہیروئن تھی جسے زورین اچھی طرح پہچانتی تھی۔

لیکن زورین گلزار حبیب نے کسی سے متاثر ہونا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

سو اسی اطمینان سی بنا اپنی پوزیشن بدلے ابرو اچکا کہ سوالیہ اسے دیکھا تھا اس کے اس انداز پہ وہ تپ ہی تو گئی۔

"اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو میں تمہیں بتا دوں۔ میں رویحہ گل ہوں۔ پاکستان کی highly paid actress اور تم جو کوئی بھی ہو میری سیٹ پہ قبضہ جما کہ بیٹھی ہو جلدی سے یہاں سے اٹھ کر دفع ہو جاؤ کیوں کہ مسلسل پانچ منٹ تک دھوپ میں کھڑے رہنے سے میرا دماغ گرم ہو رہا ہے" اپنا تعارف کروا دینے کے بعد بھی مقابل کے انداز میں رتی برابر بھی مرعوبیت نہ دیکھ کر وہ آپے سے باہر ہوئی۔

زورین کو اس پل حقیقتاً بڑی فرحت آمیز خوشی کا احساس ہوا تھا۔

"ویری ویل مس رویحہ گل۔ وہ سامنے سیٹ دیکھ رہی ہیں؟ وہ ریاض صاحب کے ساتھ والی؟ وہ خالی ہے۔ میرا خیال ہے آپ وہاں بیٹھ کر اپنے دماغ کو ٹھنڈا کر سکتی ہیں۔

"کمال بے نیازی سے اس نے دھوپ میں لگی چند ایک کرسیوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔

رویحہ گل کے تو مانو سر پہ لگی اور تلوؤں پہ بجھی۔

"تم دو ٹکے کی لڑکی مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کہاں بیٹھنا ہے اور کہاں نہیں۔ نجم۔۔۔او نجم۔۔ کدھر مر گئے ہو تم سب کے سب۔ کوئی خیال ہے تم لوگوں کو یا نہیں۔ کوئی بھی کہیں سے بھی اٹھ کر آ جاتا ہے۔ گنوار، پینیڈو سب کے سب "ڈائریکٹر صاحب کی نظر اس طرف پڑی تو بھاگے آئے۔ اس کے یوں چیخنے پہ سب ہی ادھر متوجہ ہوئے تھے۔

"آئی ایم سو سوری میڈم۔ پتہ نہیں کیسے یہ..."وہ عجیب گڑبڑائے ہوئے سے تھے اور رویحہ گل تو یہ دیکھ کر سکتے میں ہی آ گئی تھی کہ وہ اس سے نہیں سامنے بیٹھی لڑکی سے معذرت کر رہے تھے۔

"آپ کو نہیں لگتا ریاض صاحب۔ کہ آپ کی ٹیم اور سٹاف دونوں ہی میرے الفاظ کے قابل نہیں ہیں۔ عزت اور احترام دو ایسی چیزیں ہیں جن کا تعین ہمارا اسٹیٹس نہیں ہمارا بی ہیوئیر کرتا ہے اور آپ کے لوگ ان دونوں صفات سے عاری ہیں "ان کی معافی تلافی کو کسی خاطر میں نہ لاتی وہ اب اپنی چیزیں ٹیبل سے اٹھا رہی تھی۔

"رویحہ کی جانب سے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں میڈم اسے آپ کی حیثیت کا اندازہ نہیں تھا اگر معلوم ہوتا تو کبھی ایسے نہ کرتی۔اگنور کردیں پلیز۔رویحہ ایکسکیوز کرو میڈم کو"منت آمیز لہجے میں کہتے وہ آخر میں غصے سے اس سے مخاطب ہوئے تھے جسے ان کی بات سن کر جھٹکا لگا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں وہ کیا ہے ناں کہ میرا دردمند دل، آسمان پہ اڑنے والوں کو منہ کے بل زمین پہ گرتا نہیں دیکھ سکتا۔"ایک سلگتی نظر، ششدر ہوئی رویحہ پہ ڈالتی، جسنے اس کے دیکھنے پہ نخوت سے چہرہ پھیر لیا تھا۔۔وہ بڑے سکون سے قدم اٹھاتی وہاں سے نکل آئی تھی۔

وہاں موجود ہر ذی نفس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا کیونکہ رویحہ کی بدمزاجی سارے میں مشہور تھی۔اوپر سے ڈائریکٹر کی اس پہ نگاہ خاص تھی سو کوئی بھی اسے کچھ بھی کہنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا کجا کہ وہ چھوٹی سی لڑکی سب کے سامنے اسے یوں زلیل کر گئی تھی۔

مگر اس کی زلت کا تماشہ ابھی باقی تھا۔

بپھرا ہوا ڈائریکٹر اس کی جانب مڑا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے۔اپنے غصے اور نخرے کو تھوڑی دیر قابو نہیں رکھ سکتی تھی تم جانتی ہو کس سے بد تمیزی کی ہے تم نے۔زورین گلزار حبیب۔جس کا تخلیق کیا ہوا کردار نبھا رہی ہو تم۔جسے تم دو ٹکے کی لڑکی کہہ رہی تھیں ناں وہ اس وقت انڈسٹری کی highly demandingرائٹر ہے۔

ملک کا ہر چینل اس کے ڈرامے لینے کو مر رہا ہے اور تم نے۔اپنے ہاتھ سے اپنی کامیابی گنوادی۔اب اس ڈرامے پہ ایوارڈ لینے ک خیال دل سے نکال دو کیوں کی فائنل اپیسوڈ کا سکرپٹ ابھی اس کے پاس ہی ہے اور اس سب کے بعد کوئی معجزہ ہی اسے واپس لا سکتا ہے"انتہائی بے بسی سے کہتا وہ ایک غصے بھری نظر اس پہ ڈالتا مڑ گیا تھا۔

"سنا ہے تمہارے اس شو نے بڑا بزنس کیا ہے جس میں تم نے اس رائٹر کا انٹرویو کیا تھا۔کیا نام ہے اس کا؟"جوس کا گلاس اسے پکڑاتی وہ دھم سے خود بھی اس کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔

"زورین گلزار حبیب" سپ لیتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا

"ہاں وہی۔ پچھلے تین سالوں سے بیسٹ رائٹر رہی ہے۔کافی کیوٹ ہے وہ بڑی انوسینٹ سی۔انڈسٹری کی تو کہیں سے نہیں لگتی" ایک ہاتھ صوفے کی پشت پہ پھیلائے وہ سکون سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"بجا فرمایا۔انڈسٹری والا ایٹیٹیوڈ تو اس میں ہے ہی نہیں۔بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ آج تک اپنا کوئی ایوارڈ بھی خود نہیں لیا۔انڈسٹری کے عام لوگوں کی طرح دکھاوا یا کام کی خاطر تعلقات رکھنے یا بنانے والی نہیں ہے۔اس کی بلا سے اسے کام نہ بھی ملے تو پرواہ نہیں" وہ گویا تبصرہ کر رہا تھا۔

انسان کو اپنی صلاحیتوں پہ اتنا بھروسہ تو ہونا چاہیے۔اپنی قابلیت کم از کم اپنے آپ کو تو آؤٹ سٹینڈنگ لگنی چاہیے ناں۔" اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"خیر تم بتاؤ کیسے آنا ہوا"

"بس ایسے ہی۔کافی دن ہو گئے تھے بات ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہیے تمہاری بے سر و پا باتوں سے زیادہ دن محروم رہ کر میرا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے تو بس۔دماغ تیز کرنے

آیا ہوں "اس کی بات پہ وہ شرارتی سا مسکرائی۔

"گویا تم یہ اعتراف کر رہے ہو کہ تمہارے اس ذہین دماغ کے پیچھے میرا ہاتھ ہے"

"ہمم۔۔۔کہنا تو نہیں چاہتا لیکن تم چاہو تو ایسا سمجھ سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں"

اسے چڑانے کا مزہ دنیا کی کسی اور چیز میں کہاں تھا۔

"ویری گڈ۔تو پھر یہ لو میرے بھائی۔تمہاری ذہانت میں مزید اضافہ کرتے ہیں" کہنے کے ساتھ ہی اس نے ارحم کے سر پہ جھانپڑ رسید کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا جسے ارحم نے راستے میں ہی دبوچ لیا۔

"بے ادب ہڑکی۔۔۔پورے تین سال بڑا ہوں تم سے ذرا شرم نہیں آتی تمہیں میرے خوبصورت بالوں کا ستیاناس کرتے" منہا کی پیدائش پہ اس کی مما کے کافی بیمار ہو جانے کے بعد ارحم کی والدہ نے اسے فیڈ کرایا تھا۔تب ارحم کی عمر ڈھائی سال تھی لیکن اس پہ رعب ڈالنے کو چھ مہینے اپنی مرضی سے شامل کر لیتا تھا۔

"دو سال پانچ مہینے اور تئیس دن۔یہ تو حال ہے دماغ کا" اسکے ہاتھ چھوڑتے ہی منہا نے اس کے سلیقے سے بنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے نوچ کھسوٹ ڈالا۔اور بھاگ

کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

نرم سا مسکراتے ہوئے وہ اپنے بال سنوارنے لگا۔

"تمہارا کام کیسا رہا امید ہے اس دفعہ بھی دشمن کو منہ کی کھانی پڑی ہو گی" اس کی بات پہ بے فکری سے پاؤں جھلاتی منہا ساکت ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

Las Vegas

There weeks ago.

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے بازو پہ پڑا کوٹ اتار کہ کرسی پہ پھینکا تھا۔ جوتوں کی قید سے پاؤں آزاد کرتے ہی وہ فریش ہونے کی غرض سے واشروم چلا گیا۔ 10 منٹ بعد جب وہ باہر آیا تو اس کی پیشانی پہ پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کی نیت سے وضو کر کے آیا تھا۔ آج اس کی کانفرنس کا دوسرا دن تھا۔ اور

9 بجے سے لے کر وہ ابھی فری ہوا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر ڈنر کے لیے ریڈی ہوتے اسے سات بج گئے تھے۔

ڈنر کا ٹائم ساڑھے سات بجے کا تھا۔

"ویری ویل" آئینے میں خود کو دیکھتے پرفیوم سپرے کرتے وہ اپنا تنقیدی جائزہ لے رہا تھا۔ گرے ڈنر سوٹ کے ساتھ نیوی بلیو ٹائی لگائے، جیل کی مدد سے بال سیٹ کیے وہ دراز قامت شخص وجاہت ک شاہکار لگ رہا تھا۔

مطمئن ہوتے ہوئے اس نے گھڑی کلائی پہ باندھی۔

Chopard mother pearl

کی نیوی بلیو لیدر کی وہ گھڑی اس کے ہلکے سیاہ بالوں سے ڈھکے مضبوط بازو پہ گویا سج سی گئی تھی۔

اپنا فون لے کہ وہ جلدی سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔ دروازہ کھولنے کی دیر تھی۔ کوئی دھم سے اس کے بازوؤں میں آن گرا تھا۔ اس اچانک افتاد پہ بوکھلانے کے باوجود وہ مقابل کو تھام چکا تھا قبل اس کہ وہ کچھ سمجھ پاتا سامنے موجود ہستی نے بجلی کی تیزی سے

اس کے بازوؤں سے نکلتے، لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے دیوار سے لگا کر اپنا دایاں بازو اس کی گردن پہ رکھا تھا اور پاؤں سے دروازہ بند کیا تھا۔

عالمین احمر تو اس جرات پہ انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔

سیاہ لانگ کوٹ میں ملبوس، ہاتھوں کو سیاہ دستانوں میں چھپائے، چہرہ پہ سیاہ ماسک لگائے پی کیپ نسبتاً آگے کو جھکا رکھی تھی۔

عالمین کو وہ کوئی جاسوسی کردار لگا تھا۔

خطرے کی گھنٹی بجتے ہی اس نے چوکنا نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے اس شخص کی پی کیپ کھینچی تھی اور سیاہ ماسک دبوچ لیا تھا۔

بھورے بالوں کی آبشار ایک جھٹکے سے اس کے چہرے پہ گری تھی۔

عالمین احمر کی بینائی اس سے گویا مفلوج ہو گئی تھی۔

سپید، بے حد سپید رنگت، کانچ سی بھوری آنکھیں اور گلابی گداز لب۔

وہ ششدر رہ گیا تھا۔

جبکہ دوسری جانب اس کی اس حرکت کو سخت ناپسند کرنے کے باوجود وہ بہت دھیما

سا بولی تھی۔

"آئی ایم رئیلی سوری سر۔ میں ایسا بالکل نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن پتہ نہیں یہ کیسے ہو گیا۔ دیکھیں آپ مجھے غلط لڑکی بالکل نہ سمجھیں۔ آپ کو زیر حراست لینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا میں تو بس اپنے آپ کو بچاتی آپ کے دروازے سے لگی بالکل دم سادھے کھڑی تھی جب آپ نے دروازہ کھولا۔ میری نیت ہر گز بھی غلط نہیں ہے بس آپ۔۔۔" اس کی پٹر پٹر چلتی زبان پہ وہ ہوش میں آیا تھا۔ ایک جھٹکے سے اسے پرے کرتا وہ اپنا کالر ٹھیک کرتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔

"آؤٹ" دروازہ کھول کہ اسے باہر دھکیلتے وہ چیخا تھا لیکن بظاہر نازک دکھنے والی وہ لڑکی دونوں ہاتھوں سے دروازے کو تھامتی اپنا پاؤں دروازے کے بیچ رکھ چکی تھی۔

"دیکھیں مسٹر ایکس وائے زیڈ۔۔ میں آپ کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانے کے ارادے سے ہر گز نہیں آئی۔ مجھے آپ سے بس ذرا سی فیور چاہیئے۔ محض چند گھنٹے کے لئے مجھے اس روم میں رہنے دیں۔ آئی سوئیر آپ کا

یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔" لجاجت سے کہتی وہ اچک اچک کے اس کے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

عالمین کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔

کہاں وہ اسے ایک منٹ نہیں برداشت کر سکتا تھا کجا کہ چند گھنٹے۔

"اس سے پہلے کہ میں سیکیورٹی کو کال کروں یہاں سے دفع ہو جاؤ" ضبط کہ باوجود اس کا لہجہ سخت تھا۔

"نہیں نہیں۔ سیکیورٹی کو بیچ میں بالکل انوالو نہ کریں ورنہ حالات و نتائج کے زمہ دار آپ خود ہوں گے۔ بہت شرافت سے میں آپ سے محض ایک درخواست ہی تو کر رہی ہوں۔ آپ مجھے شکل سے خاصے معقول آدمی لگے ہیں اور یقیناً میرے بارے میں بھی آپ ایسا ہی سوچ رہے ہوں گے۔ اجنبی ملک میں ایک تنہا لڑکی کی مدد کرنے پہ آپ کو دگنا نہیں تگنا، چوگنا ثواب ملے گا۔" اسے دیر ہو رہی تھی اور یہ لڑکی مسلسل اس کا وقت ضائع کر رہی تھی۔

"تم جو کوئی بھی ہو۔ کسی بھی مشکل میں ہو۔ جی رہی ہو یا مر رہی ہو میرا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم اپنا یہ منحوس چہرہ لے کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

ادب و لحاظ بالائے طاق رکھ کر اس نے کہہ ہی دیا۔

وہ جو اسکی بات سننے کے بجائے اس کے پیچھے جھانکنے کے چکروں میں تھی ایک خیال کے تحت مسکرائی۔

اور اس کی اس شیطانی مسکراہٹ کو فوراً سے پیشتر سمجھتے ہوئے عالمین نے اپنے بازو پھیلا کے آگے کرتے ہوئے اس کا راستہ مسدود کیا تھا جوابا اس نے ایک بے بس نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ جھک کر اس کے بازو کے نیچے سے نکل چکی تھی۔ بھاگ کہ وہ اس کے بستر پہ چڑھی تھی۔

عالمین تو گویا ابل کھا کر پلٹا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورتا وہ اس کی جانب بڑھا ہی تھا جب اس نے اپنے لانگ کوٹ کی جیب سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکال کہ اس کے سامنے لہرایا تھا۔

غیظ وغضب میں بھرا عالمین احمر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

وہ آئی ایس آئی آفیسر منہاز راج تھی۔

"ایم سوری سر میں جانتی ہوں یہ کہیں سے بھی شریفانہ طرز عمل نہیں ہے لیکن میں مجبور ہوں۔ میری فلائٹ لیٹ ہو گئی ہے اور اس وقت ایک اور مسلہ بھی میرے

سامنے منہ کھولے کھڑا ہے جسے اپنی سیلف رسپیکٹ برقرار رکھتے ہوئے میں آپ سے شئیر نہیں کرسکتی۔کیا آپ مجھے محض چند گھنٹوں کا فیور دیں گے۔میں اس ہوٹل میں اس وقت اپنے نام کی بکنگ نہیں کرواسکتی۔"

اس کے وضاحت دینے پہ وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا تھا

"دیکھیں آفیسر۔آپ کی سب باتیں درست لیکن میں پھر بھی آپکا اعتبار نہیں کر سکتا۔ میں یہاں ایک انٹر نیشنل کانفرنس کنڈکٹ کروا رہا ہو۔اور اسوقت میرے مہمان میرا انتظار کررہے ہیں۔آپ میرا کافی وقت برباد کرچکی ہیں مزید کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں آپ کو غیر مہذبانہ انداز سے گیٹ آؤٹ نہیں کرنا چاہتا اس لیے پلیز گیٹ لوسٹ" چبا چبا کہ بولتا وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے باہر کا رستہ دکھا رہا تھا۔

تبھی اس کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر اس کا مینجر اندر آیا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ کے ساکت رہ گیا تھا۔

"سر آپ کا ویٹ ہو رہا ہے اور مسٹر ایڈیسن دو بار آپ کا پوچھ۔۔۔۔"

بستر پہ جوتوں سمیت چڑھی بلیک لانگ کوٹ پہنے وہ خوبصورت لڑکی اور اسکے سامنے

ہاتھ پھیلائے کھڑا عالمین۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں ان دونوں کے چہروں کا رنگ اڑا تھا۔

"ارے سر آپ نے بتایا نہیں کہ میڈم بھی آ رہی ہیں۔بہت خوشی ہوئی آپ کی مسز سے مل کر"

حیران پریشان کھڑی منہا اور ساکت ہوئے عالمین کی نظر بے ساختہ ٹکرائی تھی۔

حالات کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اتری تھی اور اس سے زرا فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"سوری سر لیکن آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے ایسا کچھ۔۔۔۔"

قبل اس کہ وہ بات مکمل کر پاتی،عالمین نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرایا تھا۔

"I am just coming in a little. Please take good care of my guests"

بالکل نارمل انداز میں مینیجر سے مخاطب ہوتا،اس کے باہر جاتے ہی وہ اس کی طرف آیا

تھا۔

"یہ وضاحت پیش کر کہ آپ کیا ثابت کرنا چاہتی تھیں؟ یہ کہ کوئی بھی ایری غیری لڑکی منہ اٹھا کہ میرے کمرے میں گھسی چلی آئے تو میں کمال شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہوں؟ مس منہا زراج کسی کے بھی کمرے میں گھس آنا آپ کے لیے آسان ہو گا لیکن میرے سوشل سرکل میں میرا ایک سٹرانگ امیج ہے۔آپ کی یہاں موجودگی اس پہ آپ کی یہ وضاحت میری زات پہ کتنے سوال اٹھا سکتی ہے آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں"

اس کی گردن کی رگ غصے کی شدت سے پھول چکی تھی۔

"اگر آپ میں زرا سی بھی سیلف رسپیکٹ باقی ہے جو مجھے نہیں لگتا کہ ہے تو پلیز فوراً یہاں سے تشریف لے جائیں ورنہ آپ کو اٹھا کہ باہر پھینکنا میرے لئے کوئی بڑا مسلہ نہیں ہے"

اس کے اتنے کڑوے الفاظ پہ منہا کا دل چاہا ایک پنچ تو اس کی کھڑی ناک پہ دے ہی مارے۔اتنا گرا ہوا سمجھ رہا تھا وہ اسے۔

اس کی خاموشی پہ عالمین کو ایک دفعہ پھر تاؤ چڑھا تھا۔

"مسٹر واٹ ایور جو ہونا تھا اب تو ہو چکا اگر اللہ نے مجھے آپ کے دروازے کے سامنے لا کھڑا کیا ہے تو اس میں کوئی بہتری ہی ہو گی ناں۔ خدارا ضد چھوڑ دیں۔ اس ہوٹل میں آج آپ کا دوسرا دن ہے رائٹ؟ تو یقیناً یہاں آپ نے کوئی قارون کا خزانہ تو نہیں چھپایا ہو گا؟ پھر کیا ڈر ہے آپ کو۔ نیکی کے موقع خدا بار بار نہیں دیتا۔ محض کچھ گھنٹوں کی ہی تو بات ہے۔ میں منہا زراج آپ کو گارنٹی دیتی ہوں کہ آپ کے روم کی ایک چیز کو بھی نہیں چھیڑوں گی جو جیسا ہے بالکل ویسا ہی آپ کو ملے گا آئی سوئیر" کہتے ہوئے بے ساختہ نگاہ بیڈ شیٹ پہ اپنے جوتوں کے نشان پہ گئی تھی۔ لبوں کو کھسیانا سا سکیڑتے ہوئے اس نے نگاہ چرائی تھی۔ جس پہ عالمین طنزیہ ہنسا تھا۔

"Okay. Then give me your I'd so that you could be guaranteed"

"What"

وہ جھٹکا کھا گئی۔

آپ کا دماغ ٹھیک ہے۔؟میں اپنا سروس کارڈ آپ کو کیسے دے سکتی ہو۔اتنا بھی قابل اعتبار نہیں سمجھتی میں آپ کو۔اگر میں آپ کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ مجھے آپ کی زات سے کوئی تحفظات لاحق نہیں ہیں۔ آخر کو جوان، حسین اور ذہین بھی ہوں۔یوں تن تنہا آپ کے در پہ آگئی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بھی ایرا غیرا نتھو خیرا سمجھ لیں۔میں آپ کو زبان دے رہی ہوں اس سے بڑھ کر آپکو کیا چاہیئے" وہ تپ کہ بولی تھی جس پہ وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"ایک انجان لڑکی پہ کیسے بھروسہ کر سکتا ہوں میں وہ بھی اس صورت میں جب دوبارہ کبھی ملنے کی کوئی صورت بھی نہ ہو" ایک ٹانگ سے دیوار پہ ٹیک لگائے،دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے تمسخرانہ اسے دیکھتا وہ اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔

دل ہی دل میں اسے مختلف القابات سے نوازتی وہ تنتناتی ہوئی سائیڈ ٹیبل تک آئی تھی رائٹنگ پیڈ پہ الفاظ یوں گھسیٹے تھے گویا ہاتھ میں قلم نہیں تلوار ہو جس کے نیچے کاغذ کی بجائے عالمین کی گردن ہو۔

اسی تیزی سے سامنے آتے کاغذ کا وہ ٹکڑا اس نے اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

اس میں میرا نام، فون نمبر،ای میل آئی ڈی، گھر کا پتہ سب ہے۔اگر آپکے قیمتی

خزانوں کا کوئی حصہ غائب ہو جائے تو آپ کہیں سے بھی مجھے ٹریس کر سکتے ہیں" چبا

چبا کہ اپنی بات مکمل کرتے گویا اس پہ احسان کیا تھا۔

عالمین نے ایک نظر کاغذ پہ لکھی تفصیلات کو دیکھا اور دوسری نظر اس کے چہرے پہ

ڈالی۔

"امید ہے واپسی پہ مجھے آپ کی شکل نہیں دیکھنی پڑے گی۔"

کوٹ کی اندر کی پاکٹ میں کاغذ کا وہ ٹکڑا ٹھونستے ہوئے اک تشکر بھری سانس لی۔

اس کے باہر نکلتے ہی خاموش کھڑی منہا نے مکا بنا کر غائبانہ اسے رسید کیا تھا۔

چہرے پہ آئے بالوں کو پھونک سے اڑاتی وہ صوفے پہ ڈھیر ہوئی تھی۔

****

توقع کے عین مطابق وہ ڈنر کے لیے لیٹ ہو چکا تھا۔ اپنے عمل کی وضاحت سوچتا وہ

تیزی سے لفٹ سے باہر آیا تھا۔

"ہیلو جنٹلمین" مسٹر ایڈیسن اسے دور سے ہی دکھائی دے گئے تھے۔ وہ انہیں لیے

اپنے پہلے سے ریزرو ٹیبل پہ آ گیا۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی ہے تمہارا کام اور لگن دیکھ کر۔ان چند سالوں میں آئدہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے تمہاری محنت نے" اسے سراہتے ہوئے وہ اپنی سیٹ سنبھال چکے تھے۔

ان کے سامنے والی سیٹ پہ بیٹھتا وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔

"آئدہ کی روزافزوں ترقی کا کریڈٹ صرف مجھے نہیں ہماری ساری ٹیم کو جاتا ہے

The way they managed all the projects under very low budget. It's really appreciable."

اپنا پسندیدہ پاستا پلیٹ میں نکالتے ہوئے اس نے جواباً کہا تھا۔

"عالمین تمہیں معلوم ہونا چاہیئے تم میرا کتنا قیمتی اثاثہ ہو آج سے چھ سال پہلے جب میں نے تمہیں آئیدہ کا ceo اناونس کیا تھا تب بھی پورے لاس وگاس میں مجھے تم سے زیادہ ٹرسٹ وردی کوئی نہیں لگا تھا مجھے پورا یقین تھا کہ ڈوبتی ہوئے آئیدہ کو کوئی بچا سکتا ہے تو وہ صرف تم ہو"

ان کے اعتماد پہ وہ مسکرایا تھا۔اس کی یاداشت میں آج بھی وہ دن اچھی طرح محفوظ تھا جب مسٹر ایڈیسن نے اپنے کو ایکزیکٹیو کی ٹیم کو چھوڑ کر اسے سی ای او بنایا تھا۔وہ اس وقت آئیدہ کا ایک انٹرنی تھا۔ایک برائٹ انٹرن۔آیئدہ اس کا فرسٹ ورک پلیس تھا لیکن پتہ نہیں اس کی کون سی بات مسٹر ایڈیسن کو اتنی پسند آئی جو اسے اس عہدے سے سے فراز کیا۔

لیکن وقت نے انکا یہ فیصلہ سو فیصد درست ثابت کیا تھا۔

چھ سال کی جان توڑ محنت کے بعد آئدہ کا شمار آج لاس ویگاس کی 5 بڑی کمپنیوں میں ہوتا تھا۔

اگرچہ عالمین احمر کو کریڈٹ لینا کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا مگر مسٹر ایڈیسن نے اس کی کسی بات کو خاطر میں نہیں لانا تھا سو وہ خاموشی سے اُنہیں سنے گیا۔

وہ نیویارک میں اپنی نئی کمپنی کا ذکر کر رہے تھے جب ہاتھ میں گلاس تھامے جینیفر گریوز اُن کی ٹیبل پہ آئیں۔

جینیفر گریوز۔

جاپانی انڈسٹری کا جانا پہچانا نام۔

اُن کی کمپنی کے ساتھ آئیدہ کا ایکسچینج کافی زیادہ تھا تبھی وہ کمال بے تکلفی سے عالمین کی ساتھ والی چیئر پہ آبیٹھی۔

گہرے گلے والی بیک لیس بلاؤز پہ سرخ منی سکرٹ پہنے وہ جھک کے ٹیبل پہ گلاس رکھ کہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

اس کے اس عمل پر مسٹر ایڈیسن نے اس پہ ایک ناپسندیدہ نظر ڈالی تھی۔

وہ عالمین کو اچھی طرح جانتے تھے مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ جینیفر کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔اس کے بیٹھنے سے لے کر عالمین کو دیکھنے تک کا انداز کافی بے باکانہ تھا۔

"تو عالمین ہم inauguration اگلے مہینے کی 25 کو ارینج کر رہے ہیں۔اور تم جانتے ہو میرا کوئی بھی ایونٹ تمہارے بغیر نامکمل ہوتا ہے" وہ اُن کی بات پہ مسکرا کر کچھ کہنے ہی والا تھا جب انکی اگلی بات نے اس کی ہوش اڑا دیے۔

"اور میری بیٹی کو ساتھ لانا مت بھولنا۔مجھے توجب سے فیصل نے بتایا کہ تمہاری wife بھی یہاں ہے تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔نئی زندگی کی شروعات پہ میری

اور۔۔۔"تائیدی جینیفر کو دیکھا تھا جو غصے میں بل کھا رہی تھی۔"مس جینیفر کی طرف سے بیسٹ وشیز۔آئی ہوپ میں اپنی بیٹی سے بہت جلد مل سکوں گا"اس کی پیشانی پہ اتنی ٹھنڈ میں بھی پسینہ چمکنے لگا تھا۔چند لمحے قبل رونما ہونے والے اس واقعے کو وہ قطعاً بھول چکا تھا۔اپنے اندر اٹھتے طوفان کو بدقت قابو کرتے وہ مسکرایا تھا۔وہ ذہنی طور پہ یہاں موجود ہی نہیں تھا۔

کسی اور گیسٹ کے بلانے پہ اُن دونوں سے excuse کرتا وہ وہاں سے ہٹا تھا۔چہرے کی عضلات تن گئے تھے۔دائیں ہاتھ سے کنپٹی کو سہلاتے وہ اچانک ہی سامنے آتے ویٹر سے ٹکرایا تھا۔ٹرے میں رکھا جوس اُسکے بائیں طرف کو رنگین کر گیا۔

"I am sorry sir"

ویٹر گھبرا گیا تھا۔ہاتھ کے اشارے سے اسے ریلیکس ہونے کا کہتے اپنا کوٹ اُتار کر اس کی حوالے کیا تھا۔

اسے لگا تھا وہ ایک بہت بڑی مشکل میں پھنسنے والا ہے۔

لیکن وہ غلط تھا۔وہ مشکل میں اُسی وقت پھنس چکا تھا جب منہاز راج نے اس کے

کمرے کی دہلیز پار کی تھی۔

کوٹ اُتار کر ویٹر کے حوالے کرتے اُسے پتہ ہی نیں چلا اس کے کوٹ کی اندرونی جیب سے کاغذ کا وہ ٹکڑا بڑی آہستگی سے زمین پر گرا تھا۔

****

مٹھی کھول کر ہاتھ میں دبی ہوئی کلیوں کو اس نے ہولے سے زمین پر گرایا تھا۔ نم ہوتی آنکھوں سے قبر کی مٹی اٹھا کر دونوں مٹھیوں میں بھری تھی۔ نرم گرم آنسو اس کے رخساروں پہ بہتے چلے گئے جنہیں روکنے کی اسنے بلکل کوشش نہیں کی۔

آج اُسکی والدہ کی برسی تھی۔ اگرچہ اُسکے ذہن میں اپنی ماں کے حوالے سے محض دھندلی سی چند یادیں تھیں مگر ماں تو ماں ہوتی ہے۔ قدموں تلے جنت رکھنے والی ماں، اولاد کی جنت بھی شاید اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جاتی ہے۔ زندگی کی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں سا وجود رکھنے والی اپنے پیچھے اولاد کو اک تپتے صحرا میں چھوڑ جاتی ہے۔ اپنے وجود پہ ہر دکھ سہہ کے اولاد کا سکھ خریدتی ہے تو ایسا ظرف صرف ماں ہی دکھا سکتی ہے۔

www.neweramagazine.com

جانے کتنا وقت بیتا تھا۔اُسکے ہاتھوں میں بھری مٹی کب کی پھسل چکی تھی مگر ہچکیوں سے لرزتا وجود اس بات سے قطعاً بے خبر تھا۔ تبھی ایک ہاتھ نرمی سے اُسکے سر پہ آن ٹکا تھا زورین نے اپنی سرخ آنکھیں کھول کہ اُوپر دیکھا تھا۔سیاہ چادر میں لپٹا وہ کمزور سا وجود سورج اور اسکے راستے میں ایک آڑ بن گیا تھا۔اسنے دھندلی ہوتی نظر بامشکل جمانے کی کوشش کی۔

وہ 45سالہ دراز قد،خوبصورت خدوخال کی حامل ایک شفیق ہستی تھی اپنی جوانی میں وہ یقیناً بڑی خوبصورت رہی ہو نگی۔

وہ اب اُسکے ساتھ ہی زمین پہ آبیٹھی تھیں۔

"خاک کے ڈھیر پر بیٹھ کے خاک کے لیے خود کو خاک کرنے کا کیا فائیدہ۔؟جانے والے تو وہاں کی رنگینیوں میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ یہاں کی کوئی یاد انکی روح پہ خنجر نہیں چلاتی۔اس طرح رونے یا تڑپنے سے جانے والے لوٹ کر آسکتے ہوتے تو قبرستان کب کے ویران ہو چکے ہوتے" وہی نرمی جو اس چہرے کا خاصہ تھی انکے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔زورین نے بے ساختہ اُن کے ہاتھ تھام لیے۔انہوں نے نرمی سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا یا تھا۔

"زمین کے اس گوشے سے اٹھنے والی خوشبو بڑی پر تاثیر ہوتی ہے جہاں ہمارا کوئی اپنا دفن ہو۔آپ نے کس کو کھویا ہے؟"اُسکی آنکھیں صاف کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔جواباوہ ہولے سے بولی تھی۔

"یہ میری مما کی قبر ہے۔جب میں 3 سال کی تھی تو ایک روڈ ایکسیڈینٹ میں انکی deathہو گئی"ان کے لب متاسفانہ اکٹھے ہوئے تھے۔

"اللہ اُنہیں جنت میں جگہ دے۔MashaAllah پھر تو آپ بہت بہادر ہیں۔اور بہت مضبوط بھی."انکی بات پہ وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔دل پہ گویا مرہم سا آن رکا تھا۔اس مہربان ہستی کے ساتھ نے دل اچانک سے ہلکا کر دیا تھا۔

"ایم سوری میں شائد زیادہ ہی جذباتی ہو گئی"

اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ نادم ہوئی تھی جس پہ وہ مسکرا دیں۔

"قبرستان میں جذباتی صرف وہ نہیں ہوتا جسے دفن کیا جانا ہو"

اب کی بار زورین نے مکمل توجہ سے انکا چہرہ دیکھا۔

ان کہے دکھوں کی ایک داستان تھا وہ چہرہ۔

"کیا میں جان سکتی ہوں کہ آپ۔۔۔۔"اس کا ادھورا سوال وہ سمجھ گئی تھی۔

"وہ سامنے جو ایک ساتھ دو قبریں دیکھ رہی ہیں آپ؟وہ میرے شوہر اور بیٹے کی ہیں"

بڑا ضبط آزما جواب تھا۔انکی نظر کے تعاقب میں اُسنے اُن قبروں کو دیکھا تھا۔

گلاب کے تازہ پھولوں سے مہکتی ہوئی اُن قبروں کی شاید مٹّی بھی خشک نہیں ہوئی تھی۔

"یہ دونوں سچ کے لیے آواز اٹھانے والے تھے۔اس معاشرے میں جہاں سب جھوٹ کے پروردہ ہیں۔ جھوٹ کو پیدا کرتے ہیں جھوٹ کو پروان چڑھاتے ہیں اور پھر جھوٹ ہماری ساری زندگیوں پہ محیط ہو جاتا ہے۔اُسی جھوٹ کو بے نقاب کرنے چلے تھے۔اور خود بے نشان ہو گئے"انکی آواز بھیگ رہی تھی لیکن چہرہ پر سکون تھا۔

جو صدمے روح کی گہرائیوں میں اُتر جاتے ہیں انکی تکلیف ظاہر ہو ہی نہیں پاتی۔روح کا درد جسمانی آنکھ کیسے دیکھ سکتی ہے۔زخمی روح کا درد صرف زخمی روح ہی محسوس کر سکتی ہے۔درد صرف درد کی زبان سمجھتا ہے۔تکلیف صرف تکلیف پہ اپنا آپ عیاں کرتی ہے۔

انکے درد کو محسوس کرتی وہ اُن کا ہاتھ تھام کے اُنہیں وہاں سے اٹھالائی۔

"میں آپ کو ڈراپ کر دوں"

انکی حالت کے پیش نظر اس نے آفر کی تھی

"اپنے گھر کا راستہ مجھے آنکھیں بند کر کے بھی یاد ہے۔جسمانی طور پہ وہاں پہنچ بھی جاؤں تو روح تو یہی رہ جاتی ہے۔میری فیملی تو یہاں ہے۔وہاں تو بس"اُنہیں نے طاہر بڑے سکوں سے یہ بات کہی تھی۔

"ایسامت کہیں آنٹی۔ہم سب تو اللہ کی امانت ہیں ایک نہ ایک دن تو ہم سبھی کو یہاں ہی آنا ہے۔میرے ساتھ چلیں گی تو مجھے اچھا لگے گا"اُن کے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ اُنہیں اپنے ساتھ بٹھاچکی تھی۔

انکے گھر کے راستے پہ گاڑی ڈال کے وہ انکادھیان بٹانے کو ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

****

کچھ درد بہت مہربان ہوتے ہیں۔اتنے مہربان جو ہماری روح کے زخموں پہ مرہم رکھنے

کو آسمانوں سے اُتارے جاتے ہیں۔ ہمارے دل میں پلنے والی اس خواہش کو مٹانے کے لیے ہوتے ہیں جو ہمارے دل میں اللہ کو بسنے نہیں دیتی۔ فانی کی چاہت کو ختم کرنے کے لیے، باقی سے رشتہ جوڑنے کے لیے وہ درد ہم تک دوڑے چلے آتے ہیں۔ ہم اُن سے فرار نہیں پا سکتے چاہیں تو بھی نہیں کیونکہ وہ درد ہمیں اس در سے جوڑے رکھتے ہیں جسے خوشی میں ہم اکثر بھول جاتے ہیں۔ انسان کو ایسے دکھوں کا احسان مند ہونا چاہیے۔ ایسے دکھ نعمت ہوتے ہیں۔ رب تک لے جانے والی تمام نعمتوں میں افضل ترین نعمت۔

پورچ میں گاڑی کھڑی کر کہ ابھی وہ باہر نکلی ہی تھی جب نگاہ لان میں چائے سے لطف اندوز ہوتے گلزار حبیب اور وہاج احمد پہ پڑی تھی۔

وہاج کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے اُسنے پوری گرمجوشی سے اُنہیں اسلام کیا تھا۔ قریب پہنچ کر چٹاچٹ گال بھی چوم ڈالے تھے۔ اُسکے موڈ کی تازگی کا اندازہ لگاتے ہوئے انہوں نے آنکھ سے اشارہ کیا تھا۔

"اف" آخری حد تک بیزار ہوتے ہوئے اُسنے وہاج کی جانب دیکھا تھا۔

مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے سلام کیا تھا جوابا ہولے سے جواب دیتا وہ

مسکرایا تھا۔

اپنے لیے اُسکی ناپسندیدگی سے وہ بخوبی واقف تھا۔

"آج سورج کہاں سے نکلا ہے بھئی کسی کا موڈ خلاف معمول بہت اچھا ہے" اُسکے موڈ پہ ہلکی سے چوٹ کرتے ہوئے وہ بولے تھے.

کرسی کھینچ کہ ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ بڑے دل سے مسکرائی تھی۔

"اف کورس اور آج میری خوشی کی وجہ کوئی عام نہیں ہے۔ان فیکٹ خاص ہے بے حد خاص۔

I got a companion"

اس کی کھنکتی آواز پہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا

"ماشاءاللہ کیا اس جادوئی ہستی کا نام پتہ چل سکتا ہے ہمیں جو آپ کے چہرے کی اس روشن مسکراہٹ کا سبب بنی ہے" وہاج اب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ساری تفتیش وہی کر رہے تھے۔

"she was amazing baba" ایک آنٹی ملیں مجھے اج۔

She although passed through a big trouble but I really found her very content. She really made me very inspired".

گلزارِ حبیب کے ابرو ستائشی اٹھے تھے۔

زورین کسی عام چیز سے کبھی متاثر نہیں ہوتی تھی۔اس کے دل میں اترنے والی چیز میں ضرور کچھ خاص ہوتا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے"دل کے کسی گوشے میں اطمینان کی لہر اٹھی تھی۔

"آپکی رائیٹنگ کیسی چل رہی ہے؟"اب کہ وہاج نے پوچھا تھا۔ہلکے سے نگاہ اٹھا کہ اُسے دیکھا تھا۔

بڑھی ہوئی ہلکی براؤن شیو،سنہری مائل سپیدرنگت،آنکھوں میں نرمی لیے وہ اُسے دیکھ رہا تھا وہ جاذب نظر تھا۔ایک بار تو نظر ضرور اٹکتی تھی۔

قبل اس کہ وہ دوبارہ متوجہ ہوتا،زورین نے نگاہ ہٹائی تھی۔

"الحمدللہ بہت اچھی جارہی ہے"نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لہجے میں درآئی بے زاری چھپا

نہیں پائی تھی۔

وہاج کے اندر کوئی چیز بہت بری طرح چبھی تھی۔کوئی تیر سا گویا پیوست ہوا تھا۔

آنکھوں سے نکلتی تپش چھپاتے ہوئے وہ چہرہ موڑ گیا۔

اور وہ اس کی جانب متوجہ ہی نہیں تھی۔

بڑی دلچسپی سے وہ گلزار حبیبِ کو آج کی روداد سنا رہی تھی۔

اس بات سے بلکل بے خبر کے انجانے میں وہ کسی کو ایک ان دیکھی آگ میں دھکیل چکی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

"کہاں کی تیاری ہے جناب کی" بناناک کیے وہ اندر آچکی تھی۔ٹائی باندھتے ہوئے ارحم نے اُسے غصّہ سے دیکھا۔

"کسی کے روم میں آنے سے پہلے ناک کیا کرتے ہیں منہاز راج۔اس چھ من کی کھوپڑی میں موجود ایک پاؤ دماغ کا استعمال بھی کر لیا کریں" وہ سخت چڑا ہوا لگ رہا تھا۔

"کیا ہے دوست مرچیں کیوں چبا رہے ہو۔کہو تو ابھی واپس چلی جاؤں" اُسکے لہجے کی

بیزاری کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ اُسکی رائیٹنگ چیئر پہ بڑے سکون سے بیٹھ چکی تھی۔کرسی کی پشت سے تھوڑی ٹکائے دلچسپی سے اُسکی تیاریوں کو دیکھا تھا۔

بلیک پینٹ

کے اوپر آف وائٹ شرٹ جس پہ بیزاری سے ٹائی باندھنے کے چکروں میں تھا۔اُسکی بے زاری پہ منہا کو تجسس ہوا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آج تو تمہارا آف نہیں تھا۔یہ اچانک سے hangoutکا پلان کیسے بن گیا"اُسکے سوال پہ پہلے سے بھرا بیٹھا ارحم مزید تپ گیا۔

"اچھا بھلا سو رہا تھا لیکن یہ رویحہ ہے نا۔آفت کی پڑیا۔اسی کا بگاڑا کام سیدھا کرنے جا رہے ہیں۔ریاض بھائی کی کال آئی تھی۔کسی سے ملنے جانا ہے۔اب اصل معاملہ کیا ہے یہ تو وہاں جا کہ ہی پتہ چلے گا"اس کی ٹائی سیٹ ہو گئی تھی۔ناقدانہ نگاہ دوڑائی تھی۔

"اب وہ کہاں چلا گیا یار ادھر ہی تو رکھا تھا"بڑبڑاتے ہوئے وہ ساتھ ہی کچھ ڈھونڈ بھی

رہا تھا جب نگاہ اس پہ پڑی تھی۔

کرسی پہ گھوڑے کی طرح سوار وہ پشت پہ رکھے اس کے استری شدہ کوٹ پہ بڑے مزے سے ٹھوڑی جمائے بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھ آگے کر کے فون تھام رکھا تھا اور کمال بے نیازی سے پاؤں جھلایا جا رہا تھا۔

دانت پیستے ہوئے ارحم نے جا کر اپنا کوٹ کھینچا تھا۔

"آؤچ" وہ جو اپنے ہی دھیان میں تھی۔ اس کی ٹھوڑی بڑی بے دردی سے رگڑی گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"مر و تم" وہ غصے میں بھری اٹھ کھڑی ہوئی۔ انتہا درجے کی ڈھٹائی سے اپنا کوٹ پہنتا وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ جاہل انسان۔ اب ایڑیاں بھی رگڑو گے ناں تو کوئی فیور نہیں دوں گی۔ بھول جاؤ کہ کوئی منہاز راج بھی تھی۔" وہ تن فن کرتی باہر نکلی تھی۔

پیچھے وہ ہنس ہنس کہ پاگل ہو رہا تھا۔

مزاج کی ساری بے زاری اچانک غائب ہوئی تھی۔

****

"قصر گلزار" وہ نام پڑھ کہ چونکا تھا ریاض صاحب کے کان میں گھسا تھا

"اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ زورین گلزار حبیب کا گھر ہے ناں؟" زورین کے نام پہ ساتھ موجود رویحہ نے پہلو بدلا تھا وہ جس دل سے یہاں آئی تھی بس وہی جانتی تھی۔

"ہاں۔ میں نے بتایا تھا ناں تمہیں رویحہ کو مس انڈرسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ بس زورین کے ساتھ تھوڑی ہارڈ ٹاک ہو گئی تھی۔ کاروباری معاملہ ہے رسک نہیں لے سکتے۔" ان کے تفصیلی جواب پہ اس نے ایک گہری نظر رویحہ پہ ڈالی تھی۔

وہ اس کی بدمزاجی سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔

"اس کا کچھ نہیں ہو سکتا" جیسا منہ بنائے وہ آنے والے حالات کو سوچنے لگا تھا۔

انہیں ریسیو کرنے والا شخص بلاشبہ وہی تھا

۔ائیر پورٹ والا۔ جسے دیکھ کے ذورین کے تاثرات بدلے تھے۔

ملازم کولڈ ڈرنکس سرو کر رہا تھا جب وہ داخل ہوئی تھی۔ ڈھیلی ڈھالی شلوار قمیض پہ

دوپٹہ ایک سائڈ پہ ڈال رکھا تھا کمر تک آتے سیاہ بالوں کو ہلکا سا مروڑ کہ دائیں طرف ڈال رکھا تھا۔

انہیں دیکھ کہ اس کے چہرے کے زاویے واضح بگڑے تھے۔اسے آتے دیکھ کر ریاض صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور تعظیما اسے اور رویحہ کو بھی کھڑا ہونا پڑا تھا۔ جس کا نوٹس لیے بناوہ ملازم کو کافی لانے کا کہتی سامنے رکھے صوفے پہ براجمان ہو چکی تھی۔ریاض صاحب نے آنکھ سے رویحہ کو اشارہ کیا تھا۔ جسے سمجھ کہ وہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"اس دن کے واقعے کے لئے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں مس زورین۔ایکچوئیلی شوٹنگ کے دوران کافی تھکاوٹ ہو جاتی ہے اور کافی ٹف شیڈول کی وجہ سے میں کچھ آپ سیٹ بھی تھی۔اس لئے اس دن معلوم نہیں کیا کیا کہہ دیا جو مجھے نہیں کہنا چاہئے تھا۔ آپ پلیز ریاض صاحب کی طرف سے اپنا دل میلا نہ کریں۔"نہ چاہنے کے باوجود بھی اسے یہ سب کہنا پڑا تھا.

بے ترتیب ہوئے بالوں کی ایک لٹ دائیں ہاتھ پہ لپیٹتے ہوئے اس نے غور سے رویحہ کا چہرہ دیکھا۔

وہ کوئی بچی نہیں تھی جو لہجوں کی بناوٹ سمجھ نہ پاتی رویحہ ایک ٹیلنٹڈ ایکٹریس تھی۔

اس کا پیشہ ہی اداکاری تھا اور اب یہ پیشہ اس کی اصل زندگی میں بھی اثر انداز ہو چکا تھا۔

اگر کوئی اور ہوتا تو شائد اس کی رام کتھا سے موم ہو ہی جاتا مگر وہ نہیں ہو سکتی تھی۔

اتنے سستے میں تو وہ اس نک چڑھی اور بد مزاج حسینہ کو نہیں جانے دے سکتی تھی

"مس گل۔ آپ کی تھکاوٹ اور آپ کے ایشوز آپ کا مسلہ ہیں۔ دوسروں کا نہیں۔ یہ

کام آپ کی اپنی چوائس تھا۔ اگر آپ کے لئے مینج کرنا مشکل ہے تو

you can quit anytime

یہ بات تو میں مان نہیں سکتی آپ نے صرف اس دن ایسا بی ہیو کیا ہو گا۔ اپنی اس عادت

کی وجہ سے نامعلوم کتنوں کو دو کوڑی کا کر چکی ہیں آپ ان کو ایکسکیوز کیا آپ نے؟ آف

کورس نہیں۔ ظاہر ہے وہ آپ کو کوئی نقصان تو پہنچا نہیں سکتے تو کیا ضرورت ہے اپنے

کسی بھی عمل کی وضاحت دینے کی۔ کسی کا دل ٹوٹتا ہے تو بھلے ٹوٹے۔ کسی کی عزت

نفس مجروح ہوتی ہے تو بھلے ہو آپ کی ایگو سلامت ہے آپکے نفس کو تو تسکین مل رہی

ہے پھر کیا فرق پڑتا ہے آپ کے لفظوں کی آگ سے کوئی جلے یا مر جائے۔" بڑی بے

باکی سے اس نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔

اور یہ جرات صرف وہی کر سکتی تھی۔

ریاض صاحب کی پیشانی پہ پسینہ چمکنے لگا تھا معاملہ ان کی سوچ سے زیادہ گھمبیر ک

ہو رہا تھا۔

"ایک کام کی بات بتاؤں مس گل۔اگر آپ زندگی میں سفر کر رہے ہیں تو اپنی مشکلات کو خود فیس کریں۔نہ کہ خود سے کم تر کسی بھی انسان پہ اپنی فرسٹریشن نکالیں۔آپ کے راستے میں آنے والے مسائل کے زمہ دار دوسرے لوگ نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی اتنا فارغ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ایک پنچنگ بیگ کے طور پہ آپ کے سامنے پیش کر دے۔جو انسان اپنے غصے پہ قابو نہیں پا سکتا وہ حالات کے بگڑنے پہ کسی کی ہمدردی کا حقدار بھی نہیں ہوتا۔مت بھولیں کہ ھمارے مسلے کلی طور پر ہمارے مسلے ہوتے ہیں انہیں دوسروں کے لئے مسلہ مت بنائیں" بڑے سکون سے کہتے ہوئے اس نے ملازم کی لائی ہوئی کافی اٹھائی تھی۔

اس کی فیورٹ فلیٹ وہائٹ کافی۔

ڈرائنگ روم میں اس وقت مکمل سناٹے کا راج تھا۔رویحہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ

سب کچھ تہس نہس کر ڈالے۔اس کی بات سننا تو در کنار وہ تو بدلہ لینے کا سوچ رہی تھی۔ریاض صاحب ہی معاملہ سنبھالنے کو آگے بڑھے تھے

"زورین آپ جانتی ہیں۔ایسی چھوٹی موٹی باتیں تو پروفیشنل لائف میں چلتی ہی رہتی ہیں۔ان کو بنیاد بنا کر کاروباری تعلقات تو بگاڑے نہیں جا سکتے۔بس اب جانے دیجیے۔ رویحہ سے غلطی ہو گئی اس نے معافی بھی مانگ لی۔آپ بھی غصہ تھوک دیں۔" لہجے میں زمانے بھر کی شیرینی گھول کہ وہ بولے تھے۔

"فائن۔ مس رویحہ گلٹی ہیں تو آئی ہوپ نیکسٹ ٹائم ایسا کوئی ڈرامہ نہیں ہو گا" وہ مصالحانہ بولی تو ریاض صاحب نے سکون کا سانس لیا تھا۔

لیکن اس کا یوں آسانی سے مان جانا ارحم لاشاری کو کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

"آئی ہوپ اس سے ہمارے کاروباری تعلقات متاثر نہیں ہوں گے" ان کا اشارہ سمجھ کہ اسنے گہری سانس بھری تھی۔

"آل رائٹ۔فائنل اسکرپٹ دو دن تک آپ کی ٹیبل پہ ہو گا۔لیکن ان ڈراموں کے لیے ایم سوری۔میرا جب دل چاہے گا میں تب لکھوں گی۔" اس نے لگی لپٹی رکھے بنا

کہا تھا۔

"ایزیو وش۔ لیکن اس کے لئے ایک الٹرنیٹ بھی ہے میرے پاس۔ اگر آپ انٹرسٹڈ ہیں تو وی کین پروسیڈ ان۔ میں اگلے سال ایک فلم بنانے جارہا ہوں۔ فلم کی شوٹنگ سپین میں ہو گی۔ اگر آپ اس کے اسکرپٹ کے لئے کانٹریکٹ کر سکتی ہیں تو ہم وہ کانٹریکٹ کینسل کر سکتے ہیں" ان کی بات پہ وہ کشمکش کا شکار ہوئی تھی

"لیکن میں اسپین کے کلچر، وہاں کے ٹریڈیشنز سے بالکل ناواقف ہوں۔" اس نے اپنا مسلہ بیان کیا تھا۔

"اس کا ایک حل ہو سکتا ہے۔" اب کہ ارحم بولا تھا" ہم ایک ٹرپ ارینج کر سکتے ہیں ایک مہینے کے لیے۔ اگر آپ کے لئے مشکل نہ ہو تو تو آپ وہاں رہ کر ان کا کلچر، ٹریڈیشنز، ایچ اینڈ ایوری تھنگ اسٹڈی کر کے اسکرپٹ بنا سکتی ہیں" اس کے آئیڈیا پہ ریاض صاحب نے ستائشی اسے دیکھا تھا

"ٹھیک ہے" وہ کچھ تذبذب کا شکار تھی۔

"I'll let you know in few days"

اس کی بات پہ سب نے ہی سکون کا سانس لیا تھا۔

****

ہسپتال کی لمبی راہداری میں سست روی سے قدم اٹھاتی وہ کمرہ نمبر 23 کے سامنے آر کی تھی۔آنکھوں پہ لگے سن گلاسز سر پہ ٹکا کر وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی۔

سامنے بستر پہ دراز سفید چادر میں لپٹے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔بے رونق، ویران آنکھیں اسے سامنے پا کر جگمگا اٹھی تھیں۔

منہا نے مسکراتے ہوئے پھولوں کا گلدستہ سائڈ ٹیبل پہ رکھا اور مڑ کر اس کا گال سہلایا تھا

"اب کیسی طبعیت ہے ہماری پرنسس کی۔بظاہر تو کافی بہتری لگ رہی ہے۔" کرسی کھینچ کہ بستر کے پاس کی۔

15 سالہ کنزی کی آنکھیں مسکرانے کی کوشش کے باوجود چھلک پڑیں۔

منہا کے مسکراتے لب فوراً بھینچے تھے۔

"بچے سب خیریت ہے ناں۔آپ کے گھر سے کسی نے رابطہ کیا" اسے مسلسل روتے

دیکھ کر وہ فکر مند ہوئی تھی۔

کنزی عارف۔

The bargainer's project

میں آزاد کرائی جانے والی 28 بچیوں میں سے ایک تھی جسے لینے یا ملنے کے لئے ابھی تک اس کے گھر سے کوئی بھی نہیں آیا تھا

اپنی حساس ترین طبیعت کے باعث وہ جو آپنے ساتھ ہوئے حادثے کو ہی قبول نہیں کر پائی تھی اس پہ مسلسل ایک مہینہ گزر جانے کے بعد بھی گھر والوں کا رابطہ نہ کرنا اسے شدید صدمے سے دوچار کر گیا تھا۔ وہ نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہوئی تھی

"کنزی۔۔۔رونے سے مسلے حل نہیں ہوتے بچے۔" اس کے بال نرمی سے سہلاتے ہوئے وہ اسے سمجھا رہی تھی

"کوئی اپنی اولاد سے اس قدر بے خبر کیسے رہ سکتا ہے آپی۔ جو ہوا اس میں میرا کیا قصور تھا۔ مجھے باہر بھیجنا میرے باپ کا فیصلہ تھا۔ میری اماں کبھی بھی نہیں چاہتیں تھیں کہ میں اکیلی اتنے دور جاؤں لیکن بابا نے ضد کی۔ جب۔ چوہدری صاحب نے انہیں سبز

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باغ دکھائے۔ان کے لالچ کو ہوا دی تو انہیں کچھ دکھائی نہیں دیا۔کیا عزت اتنی بے وقعت چیز ہے کہ پیسے کی ایک معمولی سی جھلک اس کے وجود کو سرے سے مٹا دے۔"
ہچکیوں سے روتی وہ بدقت اپنی بات مکمل کر پائی تھی۔

منہا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔وہ جانتی تھی کنزی کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔اس کے گاؤں کا چوھدری جو لڑکیوں کی سمگلنگ میں ملوث تھا اس کے باپ کو پیسے کا لالچ دے کر اسنے کنزی کو اپنے ساتھ بھیجنے پہ راضی کیا تھا۔

اس رضامندی کے لئے کنزی اور اسکی ماں کو کتنی ماریں کھانی پڑیں کتنی تکلیفیں اٹھانی پڑیں یہ بس وہی جانتی تھی۔

اور جس دن اس کے باپ نے اس کی ماں کو پہلی طلاق دی۔اپنے دفاع میں بڑھ چڑھ کر بولنے والی کنزی بالکل خاموش ہو گئی تھی اتنی کہ اسے بولنے پہ مجبور کر کر کہ اس کی ماں تھک گئی مگر اس کی ہاں،نہ میں نہیں بدلی۔

اور یہ تو اسے بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ جوئے کے اڈے پہ لائی گئی تھی اور اس جیسی نہ جانے کتنی ہی لڑکیوں کو پیسہ کا لالچ دے کر لایا گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مگر وہ ذات جو شہ رگ سے بھی قریب ہے ناں وہ دل میں اٹھنے والی درد کی ہر لہر سے واقف ہے، لبوں میں دبالی گئی ہر سسکی، درد کی شدت پہ آنکھ سے ٹپکا ہوا ہر آنسو اور بے بسی سے سینے میں چھپالی جانے والی سب آہیں سننے والا رب اپنے بندے کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دیتا۔

سو فرشتہ بنا کر منہاز راج کو بھیجا گیا تھا سب لڑکیوں کو آرمی نے اپنی حفاظت میں لیا تھا اور گھر والوں کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ آدھی سے زیادہ لڑکیوں کو اُن کے والدین لے جا چکے تھے مگر اُسکے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا باپ سے تو اُسے اُمید ہی نہ تھی مگر ہر کمزور لمحے میں اُسکی ڈھال بنے رہنے والی ماں بھی نہ جانے کیسے خاموش بیٹھی تھی اب تک۔ اس بات سے بالکل بے خبر کے اُسکے معصوم بیٹی پہ کسی قیامت گزر گئی تھی۔

"زندگی میں کچھ بھی کبھی بھی بے وجہ نہیں ہوتا، مشکل کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ختم ہو جانے کی لیے ہی ہوتی ہے اور اُسے ختم کرنے کے لیے آسماں سے فرشتے نہیں اتارے جاتے بلکہ اس سے بھی بڑھ کہ احسان کیا جاتا ہے اُسے عقل دی جاتی ہے، دماغ دیا جاتا ہے جسے استعمال کر کہ وقت کی تند و تیز موجوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اللہ پر توکل اور پختہ ایمان کے ساتھ۔ اس یقین کامل کے ساتھ کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے زندگی میں

مکمل اندھیرا ہی کیوں نہ جو جائے، راہیں کتنی ہی کٹھن کیوں نہ ہو جائیں اللہ ساتھ ہے، وہ ساتھ رہے گا، ساتھ دے گا، کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے سانس دی ہے وہ سانس قائم رکھنے کا وسیلہ بھی بنائے گا۔ رات کا تاریک ترین لمحہ، سحر سے کچھ پل پہلے کا ہوتا ہے۔ بس تم ہمت مت ہارو۔ اس کی ذات پہ مکمل بھروسہ رکھو۔ وہ خود پہ کیے گئے بھروسے کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیتا" اس کے ہاتھ کو دھیرے سے سہلاتے ہوئی وہ نرمی سے بول رہی تھی۔

اس کے لہجے کی حلاوت نے دل کی سلگتی تڑپتی زمین پہ جیسے چاندنی برسادی تھی۔

"میں پرسکون ہونا چاہتی ہوں آپی۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر بالوں میں جذب ہونے لگے۔

"پرسکون رہنے کے لیے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ نے تمہیں بے آبرو ہونے سے بچا لیا۔ تمہاری ذات کو بے نشاں ہونے سے بچا لیا۔ اس اندھیرے ٹرک میں بے نام منزل کی طرف سفر کرتے ہوئے تم نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ آنے والے چند گھنٹوں میں تم ایک مہرباں حفاظت میں ہو گی۔ معلوم ہے جب یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے اللہ کو پکارا تھا۔ کس قدر اندھیرا تھا وہاں۔ اندھیرے پہ اندھیرا۔ مگر اللہ نے

انکی پکار سنی۔اُنہیں نامراد نہیں ہونے دیا۔ہمارے ارد گرد پھیلی تاریکی ہمیں رب کی نظر سے اوجھل نہیں کر سکتی۔ ہم اللہ کو اندھیرے میں ہی پاتے ہیں۔اور اللہ کو کھو کہ ہم اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں۔پر سکون رہنے کے لیے کیا یہ چیز کافی نہیں کے تم اپنے رب کو بہت عزیز ہو۔وہ نہ تمہیں بھولا ہے اور نہ تمہاری تلکلیفوں کو۔وہ تو بس تمہیں کندن بنانا چاہتا ہے۔راستے کی سب تکلیفوں سے گزار کر سکھ چین کے باغات عطا کرنا چاہتا ہے۔وہ اتنا مہربان ہے کہ تمہاری آنکھ سے گرنے والے ایک ایک آنسو کو بڑی محبت سے اپنے پاس لکھ رہا ہے"اُسکے لفظوں میں نجانے ایسی کیا تاثیر تھی کہ وہ بلکل ہلکی ہو گئی۔

دل کا غبار نکلتے ہی روح لطیف ہو گئی تھی۔

اسے پر سکون نیند سوتے دیکھ کر منہا نے دھیرے سے اُسکا ہاتھ اٹھا کے اس کے سینے پہ رکھا تھا۔کنپٹی اور گیلے ہو چکے بالوں کو ٹشو سے خشک کرتی وہ اُس پہ چادر اوڑھا کر باہر نکل آئی۔

چہرے کی شگفتگی پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔

لب کچلتی وہ اپنی گاڑی کی جانب آئی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ghq میں اپنے کور کمانڈر کے آفس کے سامنے موجود تھی Pa کے اطلاع دینے پہ وہ ویٹنگ روم سے اٹھ کر اُن کے روم کی جانب آئی تھی۔

ہلکے سے ناک کیا تھا۔

کرنل ضیغم نے نگاہ اٹھا کر اندر آنے والے کو دیکھا تھا۔

لائٹ براؤن شرٹ کے ساتھ سٹریٹ ٹراؤزر اور سیاہ دوپٹہ ایک طرف ڈال رکھا تھا۔ بھورے بالوں کی مانگ نکل کر دونوں کندھوں اور آگے کو ڈال رکھے تھے۔

داخل ہوتے ہی اُسنے دونوں پاؤں جوڑ کر دایاں پاؤں زور سے زمین پہ مارا تھا۔ دایاں ہاتھ ماتھے پہ لے جا کہ سلیوٹ کیا تھا۔

کرنل ضیغم مسکرا دیے۔ وہ انکی بے حد قبل آفیسر تھی۔

"پلیز come in کیپٹن منہا۔۔۔ میں صبح سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ آ یئے بیٹھئے"

انہوں نے ریڈنگ گلاسز ٹیبل پہ رکھ کہ بیل بجائی۔ یونیفارم میں ملبوس پی اے کو دو جوس لانے کا کہتے وہ اُسکے طرف متوجہ ہوئے تھے جو شکریہ کہتی میز کے دوسری طرف موجود کرسی سنبھال چکی تھی۔

"سب سے پہلے تو اپنے پروجیکٹ کی successful completion پہ کانگریجولیشنز کیپٹن منہا۔ جس طرح انتہائی مختصر time میں آپ نے اپنی ٹیم کو پریپئر کیا اپنی progress develope کی اور اپنی stratejy miantain کی۔ ڈیٹس سپر یملی امیز نگ۔ اور آخری لمحات میں پروجیکٹ آپ کو ہینڈاوور کرنے کے لئے ایم سوری۔ لیکن آپ نے اپنی قابلیت سے ظاہر کر دیا کہ ہمارا انتخاب غلط نہیں تھا" وہ جو مودب سی سن رہی تھی انکی وضاحت پہ مسکرائی۔

"It's part of my job sir. You should not be excused of course. Thanks for your concern. I would always be in need of that."

وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔ بھوری آنکھوں میں ایک جکڑ لینے والا سحر تھا۔

"میجر حسن سے آپکی مسز کی طبیعت کا پتہ چلا تھا۔

I hope she is doing well now"

پی اے اب ان کے سامنے جوس رکھ رہا تھا۔

اس کی بات پہ کرنل ضیغم نے ہاتھ بڑھا کر جوس کا گلاس اٹھاتے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"She is fine now۔

احمد کی شہادت نے اسے توڑ کر رکھ دیا ہے۔بظاہر خود کو کتنا بھی مضبوط ظاہر کرلے مگر میں جانتا ہوں۔وہ اندر سے ٹوٹ چکی ہے۔راتوں کو سو نہیں پاتی۔اور نہ ہی اپنا خیال رکھتی ہے۔دو سال گزر جانے کے بعد بھی وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پائی کہ اب احمد ہمارے ساتھ نہیں۔"

ان کے بیٹے میجر احمد کی شہادت آج سے دو سال قبل وزیرستان آپریشن کے دوران ہوئی تھی وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا۔اور جوان اولاد کی موت یوں بھی انسان کو زندہ درگور کرنے کیلیئے کافی ہوتی ہے۔

گھونٹ گھونٹ جوس پیتی وہ ان کا درد محسوس کر پارہی تھی

"تم بتاؤ سب خیریت ہے"Anyways؟

وہ خود کو کمپوز کرتے بولے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"Everything is perfectly alright sir. I actually need some important matter to discuss with you".

"Please go ahead"

"سر متاثرہ بچیوں میں سے ایک بچی کے والدین اطلاع ملنے کے باوجود اُسے لینے کے لیے نہیں آئے ہیں۔اسٹریس کی وجہ سے اُسکا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا اور گزشتہ تین دن سے وہ ہسپتال میں ہے۔اس کی حالت سٹیبل نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہونا چاہتی ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ اسی حالت میں رہی تو اسکی دماغی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہے ہمیں جلد از جلد کوئی قدم اٹھانا ہو گا" اس کی بات پہ انہوں نے سنجیدگی سے اُسی دیکھا۔

"Do you have any plan for that?'yes sir I do have.

اگر آپ مجھے credentials provide کر دیں تو میں خود اس بچی کے ساتھ جا کر اسے اس کے گھر چھوڑ کہ آنا چاہتی ہوں اپنی کسٹڈی میں۔اپنی آنکھوں کے سامنے۔" اس کی تجویز پہ کرنل ضیغم نے متذبذب سا اسے دیکھا۔

"آپ کے خیال میں یہ بہتر رہے گا"

"آف کورس سر۔باقی کا کام آپ مجھ پہ چھوڑ دیں" وہ اپنے مخصوص پر اعتماد سٹائل میں لوٹی تھی۔آنکھوں میں ذہانت کی چمک لیے وہ اُنکے جواب کی منتظر تھی۔

"اوکے۔میں جلد ہی آفیشلز اپروو کر کے آپ کے حوالے کروں گا۔"

"تھینک یو سر۔تھینک یو سو مچ" وہ کھڑی ہوئی تھی اور جوش سے سلیوٹ کیا تھا۔

پلکوں کو ہلکا سا خم دیتے وہ زیر لب مسکرائے تھے۔

الٹے قدموں سے چلتی دروازے کے قریب پہنچ کر ایک بار پھر سلیوٹ کرتے وہ باہر نکل آئی تھی۔

"یس" دروازے سے باہر نکلتے ہی دونوں بازو بلند کر کے بولی تھی۔پی اے کی استفہامیہ نگاہوں کو نظر انداز کرتی وہ سیٹی کی دھن پہ کوئی گانا گاتی گویا ہوا میں اڑتی ہوئی اپنی گاڑی تک پہنچی تھی۔

****

وہ بڑی خوبصورت جگہ تھی۔بڑا پر کیف سماں تھا۔تا حد نگاہ ستارے ہی ستارے

تھے۔روشنیاں ہی روشنیاں۔رنگ ہی رنگ۔ہر رنگ کا رنگ۔اور ہر رنگ کا اپنا رنگ۔وہ کوئی اور ہی جگہ تھی۔دلفریبیوں سے بھرپور۔رعنائیوں سے معمور۔

تبھی وہ نمودار ہوئی تھی۔حیران سی اس طلسم کدے میں شامل ہوئی تھی۔عنابی رنگ کی مہین فراک میں ملبوس جسکا پچھلا حصہ زمین کے ایک قطعہ کو گھیرے ہوئے تھا۔سر پہ تازہ پھولوں کا تاج پہن رکھا تھا۔ہولے ہولے قدم اٹھاتی وہ کسی کو تلاش کر رہی تھی۔

تبھی اُسنے بابا کو دیکھا تھا۔وہ تیزی سے قدم اٹھاتے اُسکی طرف چلے آرہے تھے۔انکی چال سے بے چینی مترشح تھی۔چہرے پہ اضطراب تھا۔ماحول کی رنگینیوں سے قطع نظر،وہ اُسی پہ نگاہ ٹکائے تیزی سے اُسکی جانب آرہے تھے۔مسکراتے ہوئے اس نے بھی اپنی قدموں کی رفتار تیز کی تھی مگر آگے ہی قدم پہ اُسے ٹھوکر لگی تھی۔سر چکرایا تھا۔سارے میں جیسے سناٹا بھر آیا۔

وہ گری نہیں تھی معلوم نہیں کیسے مگر وہ سنبھل گئی تھی۔

مگر آنکھیں کھلنے پہ جو منظر اُسنے دیکھا،اُسے اپنی بصارت پہ یقین نہیں آیا تھا۔

www.neweramagazine.com

سب رنگ، سب ستارے ڈوب چکے تھے۔گھاس کے ایک بلکل اُجاڑاور ویران قطعہ پہ وہ بلکل تنہا کھڑی تھی۔

وہی شہزادیوں کا سالباس پہنے، سرپہ تازہ پھولوں کا تاج ویسے ہی رکھا تھا۔

ان چھوا، خوشبودار۔

مگر بابا نہیں تھے، ان ستاروں کی طرح وہ بھی شائد ڈوب چکے تھے۔

بڑی زور سے بجلی کڑکی تھی اور تاریک کمرہ پل بھر میں روشن ہوا تھا۔

"بابا" وہ پکارتی ہوئی اٹھ بیٹی تھی۔دھڑکن کی رفتار معمول سے بڑھ کر تھی اس پل اُسکے حالت یوں تھی گویا اُسکی سب سے قیمتی چیز چھین کر اُسے کسی چوک میں بلکل تنہا چھوڑ دیا گیا ہو۔

جیسے سر سے آسمان اٹھ گیا ہو۔

جیسے پاؤں زمین سے خالی ہو گئے ہوں۔

اپنے اُوپر کی ہوئی چادر جھٹکتی، وہ ننگے پاؤں گلزار حبیب کے کمرے کی جانب دوڑی تھی۔اُن کے کمرے کی لائٹ آن تھی۔بناناک کیے وہ داخل ہوئی تھی۔

گلزار حبیب نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اُسے دیکھا۔

شب خوابی کا لباس پہنے، بکھرے بالوں اور سرخ آنکھوں سمیت وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔

اُن کا دل کسی انہونی کے تحت دھڑکا تھا۔کتاب انکے ہاتھ سے گر گئی۔

"زینی میرے بچے کیا ہوا سب خیریت ہے نہ" انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھ نہیں سکے۔

معذوری کی ہر قسم آپکو آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے۔

وہ جیسے پل صراط پہ چلتی ہوئی اُن تک آئی تھی۔اُن کے سینے پہ سر رکھے وہ رو دی تھی۔ اندر کا سارا غبار آنسوؤں کے راستے نکلنے لگا تھا۔ابھی چند لمحے پہلی اُنہیں کھو دینے کا احساس کتنا جان لیوا تھا۔انکی ذات سے محرومی کے احساس نے رگ و پے میں وحشت سی بھر دی تھی۔

وہ نحیف، نڈھال، کمزور وجود اُسکی کل کائنات تھا۔

وہ ہچکیوں سے روتی رہی اور وہ اُسکے گرد بازو باندھے اُسکا سر تھپکتے رہے۔انکی داڑھی

بھیگ رہی تھی۔ وہ انکے وجود کا حصہ تھی۔ انکی ذات میں شامل تھی۔ اُسکا دکھ وہ اپنی ذات پہ محسوس کرتے تھے۔

جب ہادیہ بیگم نے انکا ساتھ چھوڑا تو وہ کتنی بری طرح ٹوٹ گئے تھے۔ وہ انکی پہلی اور آخری محبت تھیں۔ اُن کی وفات اس وقت ہوئی جب وہ اپنے کیریئر کے عروج پہ تھے۔ اُن کی پرسنالٹی اور کامیابی سے متاثر ہو کے کتنی ہی نازک اندام حسیناؤں نے سر تسلیم خم کیا مگر انہوں نے جیسے دل ایک کونے میں ڈال کے مقفل کر دیا تھا۔ سب لطیف جذبات ہادیہ کی موت کے ساتھ ہی مر گئے تھے۔ انکی ذات گویا ایک روبوٹ میں ڈھل گئی تھی۔ کوئی چہرہ دلکش نہیں لگا اس کے بعد، کسی آواز نے اپنی جانب متوجہ نہیں کیا۔

انسانی نظر وحدانیت کی بڑی قائل ہوتی ہے۔ جو ایک بار نظر میں آتا ہے، پھر وہی ٹھہر جاتا ہے۔ کچھ اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔ دل کے راستے پہ محبوب کے سوا کسی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دیتی۔ دل ایک ہی بار کسی کے لیے دھڑکتا ہے اور گر وہ نہ رہے تو دھڑکن بھی باقی نہیں رہتی۔

اور تب اگر وہ زندگی کی طرف پلٹے تو اُسکی وجہ روتی بلکتی، ماں کی پناہوں کے لیے مچلتی

زورین ہی تھی۔ جس نے احساس دلایا تھا کے اس نقصان میں کوئی اور بھی انکا شریک ہے۔ اپنے اندر کی جنگ بھول کہ وہ اُسکی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اپنی خوشیاں، ارمان سب دفن کرکے اس کے لیے جیے تھے، اُسکی خاطر ہنسے تھے۔

زندگی کے سٹیج پہ اُسکے لیے ہر رول perform کیا تھا۔ باپ بن کے پالا تھا، ماں بن کہ پرورش کی تھی۔

بہن بن کہ زمانے کی اونچ نیچ سکھائی تھی۔ بھائی بن کہ زمانے سے لڑنا سکھایا تھا اور دوست بن کہ ہمیشہ مخلص مشورہ دیا تھا۔

اُن کی زندگی میں ہر طرف وہی تھی۔ اُسکی رضا، اُسکی خوشی، اُسکا سکون۔

اور انکے بعد اگر کوئی انکی بیٹی کو انکی طرح خوش رکھ سکتا تھا تو وہ وہاج تھا جو انہی کا پرتو تھا

۔

مگر انسانوں کے بارے میں لگائے گئے اکثر اندازے غلط ہو کر ہمیں ہماری کم علمی کا احساس دلا دیتے ہیں۔

اس نے آنسوؤں بھری آنکھیں اٹھا کر انکا چہرہ دیکھا۔

"آپ کبھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائینگے نہ بابا"

وہ گیلی آواز میں بولی تھی۔ گلزار حبیب نے اُسکی پشتانی چوم لی۔

" کبھی بھی نہیں۔ میں اپنی زینی کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ کسی بھی تکلیف میں، کسی بھی مشکل میں۔ ہمیشہ اپنی ذینی کا ہاتھ بہت مضبوطی سے تھام کہ رکھوں گا۔ بھیڑ میں کھونے نہیں دوں گا۔ ہاتھ چھوٹنے نہیں دوں گا"اُسکے چہرے پہ آئے بالوں کو نرمی سے پیچھے کرتے ہوئے وہ اپنی آواز میں در آنے والی نمی روک نہیں پائے تھے۔

زورین گلزار حبیب جیسے تپتی دوپہر میں بادلوں کے سائے تلے آگئی تھی۔

ٹھنڈے، میٹھے، لطیف سائے میں۔

بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ مسکرائی تھی

"میں آپکے بغر کچھ بھی نہیں ہوں بابا۔ زندگی میں ایک قدم بھی آگے بڑھنے کے لیے مجھے آپکا سہارا درکار ہے۔ آپ کے چہرے کو دیکھے بغر میری آنکھیں بلکل بے نور ہو جائیں گی"اُن کے دونوں ہاتھ تھام کہ ہونٹوں سے لگاتی وہ نم آنکھوں سے اُنہیں دیکھے گئی۔

"مجھے سب خبر ہے۔اپنی بیٹی کے دل سے خوب واقف ہوں۔ تبھی تو اپنی زینی کا ہاتھ خود سے بھی زیادہ مضبوط ہاتھ میں دے رہا ہوں اس شخص کے حوالے کر رہا ہوں جو میری ہی طرح تم پہ آنے والے ہر غم کے سامنے ڈٹ کے کھڑا ہو جائے۔ تمہارے درد کو اپنے دل پہ محسوس کرے"

انکی بات کا مطلب سمجھ کہ بھی کوئی ردِّ عمل دیے بغر اُسنے آنکھیں جھکا لیں۔

"زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی بابا۔ہمارے غم کسی کھوجی کی طرح بو سونگھتے ہمیں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔اپنے مالک کے بہت وفادار ہوتے ہیں وہ۔ہم کتنے بھی حفاظتی بند باندھ لیں،وہ ہوا کی طرح اندر آنے کا راستہ خود بخود بنا لیتے ہیں۔ہم اپنے دکھوں سے بھاگ نہیں سکتے۔فرار نہیں ہو سکتے۔کسی انسان پہ اپنی حفاظت کی زمہ داری ڈال کر اُسکے لیے مشکلات کیوں بڑھائیں ہم"اس کی بات پہ وہ گہری سانس بھر کہ رہ گئے۔

"میں جانتا ہوں آپ بہت سٹرانگ ہیں۔اپنی بقا کے لیے زمانے سے لڑ سکتی ہیں۔اپنی زمہ داری اٹھا سکتی ہیں مگر پھر بھی۔۔۔۔وقت کے ہاتھ سے وہ قلم لینے پہ تو قادر نہیں ہوں مگر آپ کے گرد حفاظتی قلعہ تو تعمیر کر سکتا ہوں۔ہمیشہ میں آپکی ڈھال بنا رہا اب جب میں اس قابل نہیں ہوں تو یہ ڈیوٹی میں کسی اور کے سپرد کرنا چاہتا ہوں اور میری

نظر میں وہاج سے بہتر کوئی نہیں ہے"

ان سے نظر چراتے ہوئے اس نے بڑی آہستگی سے اُن کے ہاتھ آزاد کیے تھے۔

انکی اس بات کا اُس کے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔لبوں کو خاموشی سے کچلتے ہوئے اُسنے اُن کی اگلی بات سنی۔

"اگر آپکو میرے اس فیصلے سے اتفاق نہیں ہے تو میں فیصلے کا اختیار آپکو دیتا ہوں۔آپکا دل جو بھ فیصلہ کرے۔میں اس کا احترام کروں گا۔آپ کی خوشی اور سکون سے بڑھ کر میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے"

اُسنے حیرت سے اُن کا چہرہ دیکھا تھا۔یہ بات کہتے ہوئے انک چہرے پہ نمایاں ہوتی تفکر کی لکیریں وہ باآسانی دیکھ سکتی تھی

کوئی جواب دیے بنا وہ خموشی سے باہر آگئ تھی۔

****

گاڑی اس کچی پگڈنڈی سے بدقت گزار کر اندرونی سڑک پہ ڈالی تھی۔سر سبز کھیتوں کے درمیان سے نکلتی چھوٹی سی سڑک پہ تیزی سے گاڑی چلاتے وہ ساتھ بیٹھی کنزی کو

بولا رہی تھی۔

سڑک کے اختتام پہ آبادی تھی۔ جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے گاڑی آگے نہیں جاسکتی تھی۔ سو گاڑی وہیں کھڑی کر کہ وہ اُتر آئیں تھیں۔ دوسرا یا تیسرا گھر کنزی کا تھا۔ ڈری سہمی، ارد گرد کے لوگوں کی نظروں سے خائف ہوتی کنزی اُسکے پیچھے کھڑی تھی

گھر کے اندر ہونے والی زوردار لڑائی کی آواز یہاں تک بخوبی سنی جاسکتی تھی جسے نظر انداز کرتے ہوئے اُسنے زور سے دستک دی تھی۔

ایک پل کو اندر خاموشی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد جو چہرہ دروازے پہ نمودار ہوا وہ کنزی کے باپ کا تھا۔

اپنے سامنے ایک اجنبی چہرہ دیکھ کہ وہ چونکا تھا مگر اس کے پیچھے کنزی کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کے عضلات تن گئے۔ ایک نفرت بھری نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالتا وہ ترشی سے منہا سے بولا تھا۔

"کون ہو تم اور یہاں کیوں آئی ہو" اس کے سوال پہ طنزیہ ایک ابرو اچکاتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے کھڑی کنزی کو سامنے کیا۔

"یہ تمہاری بیٹی ہے۔کنزی عارف۔جسے تم آج سے دو مہینے پہلے اپنے گاؤں کے چودھری کے ہاتھ بیچ چکے ہو۔حیرت ہو رہی ہو گی نا کہ اڈوں کی زینت بننے کی بجائے یہ عزت سے گھر کیسے واپس آگئی"سخت نظروں سے اسے گھورتی وہ تند لہجے میں بولی تھی۔

"او جاؤ بی بی میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔یقیناً کسی غلط پتے پہ آگئی ہو تم"بے نیازی سے جھڑکتا وہ دروازہ بند کرنے کے قریب تھا جب عقب سے اس کی بیوی نے جھانکا۔

"کنزی میری بچی تم آگئیں۔"وہ بے تابانہ باہر لپکی تھی جسے بازو سے واپس کھینچا گیا تھا۔منہا نے فاتحانہ نظر اس پہ ڈالی اور اسے زوردار دھکا دیتے ہوئے کنزی کو لئے اندر داخل ہو گئی۔کنزی بھاگ کہ اپنی ماں سے لپٹی تھی۔عارف غصے سے بھرا ہوا اس کی جانب آیا تھا مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ انگلی سے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کرتی بولی تھی۔

"ایک قدم مزید بڑھائے بغیر میری بات کان کھول کہ سن لو۔جو سودا تم نے چودھری کے ساتھ مل کر کیا ہے اس کی خبر پولیس کو ہو چکی ہے بہت جلد تم آپنے ساتھی کے ساتھ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گے۔لیکن مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔میں

یہاں صرف تمہاری اس غیرت کو زندہ کرنے آئی ہوں جسے پیسے کی ہوس نے گہری نیند سلا دیا ہے۔ دیکھو اسے۔ یہ تمہاری بیٹی ہے۔ تمہارا خون۔ تمہارے وجود کا حصہ۔ کیا تمہاری غیرت یہ گوارا کرتی ہے کہ اس کا معصوم حسن تم جیسے آوارہ اور لالچی کتوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جائے۔ غلیظ مردوں کی نفس پرستی کا شکار بنے۔ اسی دن کے لئے پیدا کیا تھا تم نے اسے کہ اس کا پاکیزہ وجود ان ملعون کتوں کے سامنے پھینک دو کہ جہاں سے جی چاہے نوچ کھائیں۔ یہ نوخیز حسن کیا اسی قابل ہے کہ اسے کئی ہوس کے ماروں کی راتیں رنگین کرنے کیلیے بیچ دیا جائے" اونچی آواز میں بولتی وہ اسے آئینہ دکھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"تمہیں آپنی بیٹی کو واپس لے جانے کی اطلاع دی گئی مگر تم نے ایسا نہیں کیا آخر اس چودھری کے تلوے بھی تو چاٹنے تھے تمہیں اور اگر جو یہ یہاں آ کہ منہ کھول دیتی تو تمہارا یہ مکروہ چہرہ سب کے سامنے آجاتا لیکن مجھے بہت خوشی ہے کہ تمہارا یہ مکروہ چہرہ اب بھی لوگوں مے سامنے آچکا ہے۔ اب تم چاہو بھی تو کچھ نہیں کر سکتے" کندھے بے فکری سے اچکاتے ہوئے اس نے دائیں بائیں اشارہ کیا۔ اس پاس کے گھروں سے کئی سر نمودار ہوئے اس لائیو شو کو دیکھ رہے تھے۔

کھچڑی ہوئی داڑھی والے اس شخص کے کرخت چہرے پہ عجیب لعنت سی ٹپک رہی تھی۔کم

از کم منہا کو تو ایسا ہی لگا۔

وحشت بھرے انداز میں کوئی جوازنہ پاکر وہ ہر چیز کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھتا باہر نکل گیا۔

"خلص "منہانے ہاتھ جھاڑے۔

اس کے باہر نکلتے ہی کنزی کی ماں فوراًاس کے پاس آئی تھی۔نقاہت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ستا،بے حد ستا رنگ اڑا جوڑا پہنے وہ پھٹی ہوئی چپل پہنے ہوئے تھی۔

"آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں بی بی جی۔اللہ کی بڑی رحمت ہو آپ پہ۔فرشتہ بنا کہ بھیجا اس نے آپ کو ہمارے لئے۔وہ آپ کی زندگی کو سکھ سے بھر دے۔آسانیاں لائے"وہ آبدیدہ ہو رہی تھی۔منہانے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"شکریہ میرا نہیں اس زات کا ادا کرو جس نے تمہاری عزت بچائی

ہم انسان تو بس اپنے حصے کی زمہ داری نبھاتے ہیں۔اصل احسان تو وہ کرتا ہے اپنے بندوں پر"اس نے کنزی کو اپنے ساتھ لگایا۔

"اپنا اور اپنی ماں کا خیال رکھنا اللہ پہ بھروسہ رکھنا۔وہ تم پہ اتنا فضل فرمائے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گی۔"دلکش مسکراہٹ سے اسے سمجھاتی وہ کنزی کو بالکل بڑی بہن جیسی لگی۔

وہ دروازے تک ہی پہنچی تھی جب کنزی کی ماں دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"بی بی جی ایک درخواست ہے۔گزارش ہے۔اگر آپ مان لیں گی تو زندگی بھر آپ کا احسان نہیں بھولوں گی۔اس کا باپ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا آج نہیں تو کل وہ خبیث اسے پھر کسی جوئے کے اڈے میں ہار آئے گا ایک احسان کر دیں۔اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔شہر میں کسی کام پہ لگوا دیں۔اپنے گھر میں کام کے لئے رکھ لیں۔بس اسے یہاں سے لے جائیں۔اپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی"دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے ہوئے وہ رو رہی تھی۔منہا نے ایک نظر دور کھڑی کنزی کو دیکھا تھا۔بھر کچی مٹی کے بنے اس ایک کمرے والے گھر کو۔چند ایک برتن جو کچے صحن میں بکھرے پڑے تھے۔

کچھ لمحات بڑے جادوئی ہوتے ہیں۔ایسے فیصلے کرواجاتے ہیں جو عام زندگی میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

"ٹھیک ہے"کنزی کو آنے کا اشارہ کرتی وہ باہر نکلی تھی۔

****

یہاں آتے ہوئے ایک لمحے کو بھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ کنزی کو اپنے ساتھ لے کر جائے گی۔وہ اسے بحفاظت اس کے والدین تک پہنچانا چاہتی تھی۔مگر نہ جانے کیا ہوا تھا۔کسی خسارے کا احساس ہوتے ہی وہ یہ فیصلہ کر بیٹھی تھی جو نا معلوم کس حد تک صحیح تھا۔

ابھی وہ سڑک کہ وسط میں پہنچی تھی جب دونوں طرف کے کھیتوں سے نکل کر اچانک ہی دس بارہ افراد گاڑی کے سامنے آئے تھے۔بدقت بریک لگا کر اس نے حالات کا جائزہ لیا تھا۔

کنزی کی تو جیسے سانس خشک ہوگئی تھی۔اس نے خوفزدہ نگاہوں سے منہا کا مطمئن

www.neweramagazine.com

چہرہ دیکھا۔

"آپی آپ باہر مت جائیں۔ان کے پاس اسلحہ ہے وہ آپ کو نقصان پہنچادیں گے "اس کی بات پہ منہانے پل بھر کو اس کا چہرہ دیکھا۔

"جو اپنی جنگ خود نہیں لڑتا، زندگی اس کے ہاتھ میں کبھی آزادی کی نعمت نہیں ڈالتی۔ جو زخم مجھے ان سے لڑتے ہوئے آئے گا وہ اس تندرستی سے ہزار درجے بہتر ہے جو۔ بزدلوں کی طرح چھپ کے بیٹھ جانے سے ملے گی"

گاڑی کا انجن آف کر کے چابی اس کی جانب اچھالی تھی۔

"گاڑی کو اندر سے لاک کر لو۔ باہر مت آنا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ان کو سبق سکھا کے آتی ہوں میں"

اس کا جواب سنے بغیر وہ باہر نکلی تھی۔

سیاہ جینز کے ساتھ سیاہ ہی ٹاپ پہنے وہ گردن کے گرد سٹولر لپیٹے ہوئے تھی۔ جسے باہر نکلنے سے پہلے کھینچ کہ اپنے گلے سے نکالا تھا۔ باہر نکل کہ وہ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے بڑے سکون سے ان کے سامنے آئی تھی۔ گروہ کا سرغنہ ایک پختہ عمر کا گہری رنگت

والا شخص تھا جس کے پہلو میں کھڑا کنزی کا باپ یقیناً اُن سب کو وہاں لانے کا موجب تھا۔

"چہ چہ چہ۔۔۔۔ غیرت تو شاید جاگی نہیں مگر کتے والی وفاداری ضرور جاگ گئی۔ ان حرکتوں سے تم شاید مجھے ڈرانا چاہ رہے ہو لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے" بات مکمل کرتے ہوئے اس نے بایاں ہاتھ بلند کر کے عقب سے خاموشی سے وار کرنے والے کا بازو پکڑا تھا۔ اس بظاہر نازک دکھتی لڑکی کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اسے اپنا ہاتھ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ آگ برساتی نظروں سے حملہ آور کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کا بازو مروڑ کہ اسے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ یہ حملے کا آغاز تھا۔ اسی پل دوسری جانب سے وار ہوا تھا جس سے وہ جھک کہ فوراً بچی تھی۔ تیزی سے سیدھا ہوتے ہوئے اس نے دائیں ٹانگ اپنی طرف دوڑ کر آتے ایک لحیم شحیم بندے کو رسید کر کے گھوم کر اس کا منہ نوچا تھا۔ دونوں بازو اس کی کمر سے لگا کر پیٹ میں مکا رسید کیا تھا۔ درد سے دہرا ہوتا وہ دور جا گرا تھا۔ منہا جانتی تھی یہ سب ہو گا تبھی سامنے کھڑے لوگوں کو سوچنے کا موقع دیئے بغیر وہ ان کی جانب دوڑی تھی۔ ہرزی نفس تب تک الرٹ ہو چکا تھا ہاتھ میں پکڑی کلہاڑیوں، لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے وہ اس پہ پل پڑنا چاہتے تھے مگر وہ بے خبر

نہیں تھی۔ان کے قریب پہنچ کر اس نے جمپ کیا تھا ان کے سروں کے اوپر سے
گزرتی وہ نیچے کھڑے دو افراد کے سروں پہ زوردار پاؤں مارتے ہوئے دوسری جانب
پنجوں کے بل گری تھی۔بنا لمحے کی تاخیر کیئے واپس اٹھی تھی۔مڑتے ساتھ ہی دائیں
ٹانگ گھما کر تیزی سے سامنے آتے شخص کے منہ پہ مارا۔دائیں بائیں سے آتے لوگوں
کو مزید قریب آنے کا وقت دیتے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ جھکی تھی۔اس پہ پل
پڑتے وہ دونوں آپس میں ٹکرا کہ ادھر ادھر جا پڑے تھے۔بارہ افراد میں سے 6 لوگ تو
باقیوں کا حشر دیکھتے بھاگ چکے تھے جب کہ باقی رہ جانے والے اس کے ہاتھ کی صفائی پہ
حق دق جان بچانے کو بھاگ رہے تھے۔ہاتھ جھاڑتے ہوئے تمسخرانہ ہنستے وہ مڑنے ہی
والی تھی جب کنپٹی پہ پستول کی نوک نمودار ہوئی تھی۔اس نے سانس بالکل روک لی۔
وہ جو کوئی بھی تھا اس کی گردن دبوچے بڑی بے خوفی سے اس پہ پستول تانے کھڑا تھا۔
وہ خاموش ہو گئی تھی۔بالکل ساکت۔۔اس کے انداز پسپائی پہ مقابل نے ایک مکروہ
قہقہہ لگایا تھا اور اسی پل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے منہا نے دایاں پاؤں پوری قوت سے اس
کے گھٹنے پہ دے مارا تھا۔وہ یقیناً اس حملے کی توقع نہیں کر رہا تھا مگر منہا نے اسے کوئی
موقع نہ دیتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پستول جھپٹا تھا۔اس کی ٹانگ کو نشانہ بناتے
ہوئے ایک ساتھ دو گولیاں چلائیں تھیں۔فاتحانہ مسکراتے ہوئے اس نے سڑک کے

دوسرے سرے سے دھول اڑاتی جیپ کو نمودار ہوتے دیکھا۔ نگاہ اس پہ جمائے وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔اس کی گاڑی سے زرا فاصلے پہ وہ جیپ آرکی تھی۔ چبھتی نظروں سے اس نے گاڑی سے اترتے چودھری کو دیکھا۔

"واہ میڈم۔داد دینی پڑے گی آپ کے حوصلے کی۔آج سے پہلے اتنا جگرے والا دشمن جودھری قمر کو ٹکرا نہیں۔"

چالیس سے اوپر کی عمر کا وہ مرد چہرے پہ خباثت لئے مسکرایا تھا۔منہا اس کی جانب متوجہ تھی تبھی اس کے باڈی گارڈ نے گولی چلائی تھی جو بے دھیانی میں کھڑی منہا کی بائیں بازو کو چھوتی نکل گئی تھی۔اسے جھٹکا لگا تھا اور اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔ہاتھ میں پکڑا پستول آسمان کی طرف بلند کرکے ایک ساتھ ٹر گر دبایا تھا۔فضا گولیوں کی تڑتڑ سے گونج اٹھی تھی۔۔چرند پرند سہم گئے تھے۔

بازو سے نکلتے خون کو نظرانداز کرتی وہ تیزی سے آگے بڑھ آئی تھی۔ہاتھ میں تھاما پسٹل چودھری کے منہ پہ مارتی وہ غرائی تھی۔

"ایک آرمی آفیسر پہ قاتلانہ حملے کے جرم میں بہت جلد سلاخوں کے پیچھے موجود ہو گے چودھری۔تمہارا حشر دیکھنے ضرور آؤں گی۔کیپٹن منہاز راج۔نام یاد رکھنا" غصے

بھری نظر اس پہ ڈالتی وہ اپنی گاڑی تک آئی تھی۔ کنزی نے فوراً گاڑی ان لاک کی تھی۔ وہ سارا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ اس کے بازو سے نکلتا خون اسے ہولا گیا تھا۔

منہا نے گاڑی اتنی تیزی سے نکالی تھی کہ چودھری کے ڈرائیور کو گاڑی کھیت میں اتارنی پڑی.

****

مسلسل بجتی فون کی بیل نے اس کا تسلسل توڑا تھا۔ سکرین سے نگاہیں ہٹائے بنا اس نے فون اٹھایا تھا

"ہیلو" بے دھیانی میں بولا تھا۔

کہاں ہو عالمین۔ ابھی تک آفس میں ہو؟ تمہارے بابا کب سے تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ آج تو تمہیں آنا تھا ناں؟" امی جان کی آواز سنتے ہی وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔ سر اٹھا کہ گلاس وال کے باہر پھیلی تاریکی کو دیکھا تھا اور گھڑی کی جانب نگاہ کی تھی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔

"آئی ایم سوری امی جان۔وہ کام کے دوران وقت گذرنے کا پتہ ہی نہیں چلا بس نکلتا ہوں گھر کے لیئے"لیپ ٹاپ آف کرتے ہوئے وہ اپنی کرسی سے اٹھا۔

"تمہارے بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے عالمین۔تم اچھی طرح واقف ہو وہ تم سے کتنا اٹیچڈ ہیں۔صبح سے وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں"ان کی آواز ملامتی تھی۔آج فرائیڈے تھا اور ہر ویک اینڈ کی طرح وہ آج بھی اس کا ویٹ کر رہے تھے اور اس کا نہ جانا یقیناً ان کے لئے معنی رکھتا تھا۔

"آپ اس کی وجہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔اور میں حیران ہوں آپ ہر بات بھول کر ایک معمول کی طرح مجھ سے یہ سوال پوچھ رہی ہیں۔"وہ اپنا کوٹ بازو پہ ٹالتا باہر نکلا۔پی اے کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہتا وہ بیسمنٹ میں چلا آیا۔

"ہمیں اس وقت تمہاری ضرورت ہے عالمین۔خاص طور پر تمہارے بابا کو۔وہ اپنی زندگی کے ایک مشکل فیز سے گزر رہے ہیں۔کیا تمہیں اچھا لگے گا اپنے باپ کو ایسی سچویشن میں اکیلا چھوڑ کر؟"ان کی بات پہ اک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھری۔

"بابا کو زندگی میں اگر کسی چیز کی ضرورت رہی ہے تو وہ ان پہ ہوئے بے انتہا ظلم پہ لوگوں کی ہمدردی ہے۔وہ تکبر جس نے انہیں کبھی اپنے سے کم لوگوں کو دیکھنے نہیں

دیا۔آج وہ اکیلے ہیں تو اس کہ زمہ دار وہ خود ہیں امی جان۔رشتوں کی اہمیت کو انھوں نے کبھی سمجھا ہی نہیں۔"بلیو ٹوتھ لگاتے ہوئے اس نے گاڑی ڈرائیو وے پہ ڈالی

شٹ اپ عالمین وہ تمہارے بابا ہیں۔تم آج اگر کامیاب ہو تو انھی کی وجہ سے۔انھوں نے جو بھی کیا اس کہ جوابدہ وہ تمہارے آگے نہیں ہیں۔تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا انھوں نے۔خود سے بڑھ کہ تم سے محبت کی۔یہ بات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ اور یہ بات تمہیں بھولنی ہر گز نہیں چاہیے۔"

ان کی بات پہ وہ طنزیہ مسکرایا تھا۔

اسے آج تک سمجھ نہیں آئی تھی اس کی ماں کس مٹی سے بنی ہے۔

"ان کی زمہ داری صرف میں نہیں تھا امی۔۔۔اپ کی زات۔۔۔آپ کا دل۔۔آپ کی خواہشات۔۔۔یہ سب بھی ان کی زمہ داری تھی جسے نبھانے کی انھوں نے کبھی کوشش نہیں کی"اس نے نرمی سے جیسے کچھ یاد کروانا چاہا تھا۔

"مگر مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔نہ ان سے۔۔۔۔نہ کسی اور سے۔۔۔تم کل صبح یہاں پہنچو۔یہ میرا حکم ہے"اور عالمین احمر دنیا کی ہر نعمت ہار سکتا تھا۔صرف اپنی ماں کے

چہرے پہ مسکراہٹ دیکھنے کے لیے۔

انھیں سکون دینے کے لیے وہ اپنی جان بھی وار سکتا تھا۔گہری سانس لیتے ہوئے اس نے حامی بھری۔

"اوکے۔میں کل آؤں گا"اس کی بات پہ وہ مسکرائیں تھیں۔اپنے بیٹے کی کمزوری سے واقف جو تھیں۔

"خوش رہو۔کل ملتے ہیں"ان کے لہجے کا اطمینان وہ اتنے میلوں کی دوری سے بھی محسوس کر سکتا تھا۔

"اچھا بات سنیں"

"ہاں بولو"وہ فون بند کرتے رکیں۔

"بابا کا تو بتا دیا۔اپنا بھی بتا دیں۔آپ کیسی ہیں۔کھانا کھایا؟میڈیسن لیں"اس کی فکر پہ وہ مسکرائیں۔

"پہلے ٹھیک تھی اب تم سے بات ہو گئی ہے تو اور بھی ٹھیک ہو گئی ہوں۔کل جب تم آؤ گے تو بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی"ان کی بات پہ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"اپنا خیال رکھنا۔ڈنر یاد سے کر لینا" ان کی ہدایت پہ اس نے سر خم کیا ہاتھ بڑھا کر بٹن دباتے اس نے کال اینڈ کی۔ نگاہ بھر کی باہر پھیلی تاریکی کو دیکھا۔

ویسا ہی اندھیرا اس کے اندر بھی اترنے لگا تھا۔ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے گاڑی سائیڈ پہ روک دی۔ وہ اس وقت لاس ویگاس واش لیک کے کنارے پہ تھا۔ باہر نکلتے ہی ٹھنڈی میٹھی چاندنی نے اس کے موڈ کو بہتر بنانے کی اپنی سی کوشش کی۔ وہ بے زار سا گاڑی کے بونٹ پہ آبیٹھا تھا۔ سفید شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے۔ٹائی بے ترتیب ہوئی ایک طرف کو ڈھلکی پڑی تھی۔آسمان پہ نگاہ کرتے ہوئے وہ دونوں بازو سر کے نیچے رکھے وہیں گاڑی کے بونٹ پہ لیٹ گیا تھا۔سیاہ آسمان پہ بکھرے تاروں کو تکتے وہ اپنے اندر کی ویرانی سے لڑ رہا تھا۔

بڑی مضبوط تھیں میرے اندر کی ویرانیاں

رنگ سارے میری زات کہ مجھے چھوڑ گئے

دل ناداں وہ تیری آرزوؤں کے گھر تھے۔

جنھیں اپنے تیرے بے دردی سے توڑ گئے۔

ان سے کس بات کا گلہ کریں اب عرصہ بعد

جو سکون سے کر کہ ہمیں زندہ در گور گئے

اسے بھول جا دل ناداں جو ہوا تجھ پہ ستم۔

کہ تیرے اپنے بھی تجھے سامنے پا کہ منہ موڑ گئے۔

****

"مجھے سمجھ نہیں آرہی ام جان میں کیا فیصلہ کروں زندگی مجھے اس مقام پہ لے آئی ہے جہاں نہ میں آگے بڑھ سکتی ہوں، نہ پیچھے جا سکتی ہوں" مینگو شیک ان کے سامنے رکھتی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Poetry|Interviews

ہوئے اس نے اپنے اندر پلتے خدشے کو زبان دی۔کچھ دیر میں اسے اپنی ٹیم کے ساتھ سپین کے لئے فلائی کرنا تھا۔جانے سے پہلے وہ ان سے ملنا چاہتی تھی۔

"تمہارے بابا تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔وہ تمہارے لیے کوئی بھی غلط فیصلہ نہیں لیں گے "انھوں نے گویا اسے تسلی دی۔وہ اپنا گلاس لے کر ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ام جان۔بابا نے مجھ پہ کبھی اپنی مرضی مسلط نہیں کی۔صرف اس معاملے میں وہ سخت ہو گئے تھے۔مگر اب فیصلہ کا اختیار مجھے سونپ کہ گویا کسی منجدھار میں لا کھڑا کیا ہے ماننے کی ہمت نہیں اور ان کا دل توڑنے کا حوصلہ نہیں۔"

فالسئی پلین ٹراؤزر قمیض کے ساتھ پرنٹڈ دوپٹہ حجاب کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔گلابی آنکھوں میں تیرتے ڈورے اسکی بے چینی کا پتہ دے رہے تھے

"آپ نے اللہ سے آخری بار دعا کب کی تھی"ان کے غیر متوقع سوال پہ وہ حیران ہوئی۔

"دعا۔۔۔اس کا یہاں کیا ذکر۔۔۔اممم۔۔۔"اس نے سوچنا چاہا تھا بہت بچپن میں

جب گلزار حبیب نے اسے نماز سکھائی تھی تب دعا مانگنا سکھائی تھی۔ مگر اسے کبھی دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی

"آئی ایم سوری ام جان۔ مجھے یاد نہیں میں نے آخری دفعہ کب دعا مانگی تھی۔"۔اس نے سادگی سے اعتراف کیا تھا

"تو پھر آپکو اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو ری نیو کرنے کی ضرورت ہے۔اگر کسی اپنے سے ہم کافی لمبے عرصے کے لیے کانٹیکٹ نہ کر پائیں تو ہماری ویلیو کم ہو جاتی ہے مگر اللہ ایسا نہیں کرتا۔آپ زندگی کے کسی بھی مقام پہ اس کی طرف پلٹو گی تو وہ آپ سے اتنی محبت سے پیش آئے گا کہ آپکا دل پلٹنا ہی نہیں چاہے گا۔وہ آپکی بات اتنے غور سے سنے گا کہ اس کے بعد کسی کو دوست بھی بنانا نہیں کا ہو گی۔اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی ہوتا ہے"ان کی باتیں آج اسے حیران کر رہی تھیں۔

"لیکن ان جان۔مجھے کبھی کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔بابا نے بن کہے ہی میری ہر بات سمجھ لی۔ہر خواہش پوری کی"وہ جیسے وضاحت دے رہی تھی۔

"ضرورتِ تو صرف اللہ ہی پوری کرتا ہے۔اس کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ وکیل۔وہ اپنے بندے کو خود کفیل بناتا ہے مگر مانگنے والے کو بے حد عزیز رکھتا ہے۔تم اللہ سے

اپنے لئے اس فیصلہ کی آسانی مانگو"

"It's been long time I've never prayed"

اس نے سر جھکا لیا۔

"دعا مانگنا کیوں ضروری ہے ام جان

اللہ کو پتہ ہے ناں میں مشکل میں ہوں۔ وہ میری مدد کر دیں گے ناں" اس کے سوال پہ انھوں نے اسے یوں دیکھا جیسے کوئی نا سمجھ بچے کو دیکھتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تمہاری واپسی کب ہے؟" انھوں نے الٹا سوال پوچھا تھا۔

25 دن بعد۔ کیوں"

"اس سوال کا جواب تمہیں خود ڈھونڈنا ہے۔ 25 دن بعد۔ میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گی۔" وہ شیریں سا مسکرائیں۔

الجھی الجھی سی وہ ان سے مل کہ باہر آئی۔ ریاض صاحب کی کال آئی تھی وہ ائیر پورٹ پہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"آپ کے خیال میں دعا مانگنا کیوں ضروری ہے" جہاز کے فلائی کرنے کے بعد اس

نے بظاہر میگزین پلٹتے اپنے ساتھ بیٹھے ارحم سے پوچھا تھا۔اپنے فون پہ مصروف ارحم نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ارحم کو اپنا وہم لگا تھا۔ارد گرد دیکھتے وہ زرا سا اس کی طرف جھکا تھا۔

"ایکسکیوز می۔کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟"

وہ سوالیہ دیکھ رہا تھا۔

میگزین بند کر کہ زورین نے مکمل توجہ سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"آف کورس ارحم لاشاری۔میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ہماری زندگیوں میں دعا کی کیا اہمیت ہے"پہلے وہ اس کے مخاطب کرنے پہ پھر اس کے سوال پہ حیراں ہوا تھا۔

وہ آنی کو کال کر کہ باہر آنے کا کہہ چکی تھی۔دو گھنٹے کے اس سفر میں کوئی بھی بات کیے بنا وہ لب بھینچے ڈرائیو کرتی رہی تھی۔بائیں بازو کے زخم پہ کنزہ نے اسکا سٹولر باندھ دیا تھا۔مسلسل بہتے خون سے تر ہوا کپڑے کا وہ ٹکڑا دیکھ کر کنزہ کو اسکی فکر ہو رہی تھی مگر اسکے تاثرات کے پیش نظر وہ کچھ بولی نہیں۔

گاڑی ایک پر شکوہ بنگلے کے سامنے آن رکی تھی۔ہارن دینے کے بجائے اس نے آنی کو کال کی تھی۔ سخت گھبرائی سی وہ باہر آئی تھیں۔کنزہ کو اشارہ کرتی وہ گاڑی سے نکلی۔ اس کے ساتھ ایک انجان چہرہ دیکھ کر وہ چونکی تھیں مگر اگلے ہی پل اُسکا بازو دیکھ کر متفکر سی ہوئیں۔

"یہ کیا ہے منو۔۔۔یہ زخم کیسے آیا تمہیں ؟؟اتنی زیادہ بلیڈنگ ہو رہی ہے ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی تم" وہ پریشان سی ہو کر کبھی اُسکا چہرہ چھو کر اسکے ٹھیک ہونے کی تسلی کرتیں۔انکو پریشان دیکھ کر منہا مسکرا کر اُنکے کندھے سے لگی۔

"میری پیاری آنی۔۔۔کچھ نہیں ہوا آپکی منو کو اور نہ ہی آپکی دعاؤں کے ہوتے ہوئے کچھ ہو سکتا ہے۔ معمولی سا زخم ہے مرہم پٹی سے ٹھیک ہو جائے گا۔ان فیکٹ ابھی ڈاکٹر کے پاس ہی جا رہی ہوں اسی لیے اندر نہیں آئی"

ان کے چہرے سے چہرہ مس کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔کچھ یاد آنے پہ کنزہ کی طرف مڑی۔

"یہ کنزہ ہے اور کنزہ یہ میری پیاری سی آنی ہیں۔ میرے آنے تک تم ان کے ساتھ رہو گی اور بیلیومی خوش بھی" شرارت سے کہتی وہ واپس اُن کی طرف گھوم گئی

"She is my guest. Please take special care of her. I'll be back soon"

بازو میں اٹھتے درد کو نظر انداز کرتی وہ ان کا چہرہ چوم کہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ اُن دونوں کو ہاتھ ہلاتے ریورس کر کے گاڑی اُس نے کلینک کے رستے پہ ڈالی تھی۔

پورے سفر میں پہلی بار اُس نے اپنے زخم پہ نگاہ ڈالی تھی ہلکا ہلکا درد مسلسل اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

خون زیادہ بہ جانے کے باعث چہرے پر زردی آ گئی تھی جس سے بے نیاز وہ دانت پہ دانت جمائے سامنے دیکھتی ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھا گئی۔

oooooooooooooooo

پندرہ منٹ کے بعد وہ کلینک کے سامنے تھی۔ یہ اسکی دوست جو کہ ایک سرجیکل سپیشلسٹ تھی کا ذاتی کلینک تھا۔

گاڑی پارک کر کے ہلکے قدم اٹھاتی وہ اندر آئی۔

ڈاکٹر نشا سے اسکی دوستی کی وجہ سے وہ اکثر یہاں آتی جاتی رہتی تھی۔چوکیدار نے
اسے دیکھتے ہی سلیوٹ کیا تھا۔نرم مسکراہٹ سے اسے نوازتی وہ اندر چلی آئی۔
ریسیپشنسٹ نے فوراً ڈاکٹر نشا کو کال کی تھی۔نشا سے بہت بے تکلف ہونے کے باوجود
وہ کبھی بھی اسکے آفس میں ایسے ہی نہیں گئی تھی۔

وہی فوجیوں کی اصول پسندی۔

"What is this minha?

اتنے serious زخم کو لے کر تم اتنی دیر سے اوپن گھوم رہی ہو۔ ohh my
God--- it's still bleeding---تم مروگی منہا تم وطن کی حفاظت
کرتے کرتے شہید ہو یا نہیں لیکن میرے ہاتھوں ضرور شہید ہو جاؤ گی"اس پہ نگاہ
پڑتے ہی نشا بھاگی آئی تھی۔زخم کی حالت دیکھتے وہ حد سے زیادہ پریشان ہوئی تھی۔
اپنے ساتھ نرس کو لگا کر جلدی جلدی bandadge کی تھی۔گولی قدرے نزدیک
سے ماری گئی تھی مگر نشانہ چوک جانے کے باوجود بازو کا گوشت لے اڑی تھی۔اس پہ
سہاگہ ڈھائی گھنٹے سے باندھے رکھنے کی وجہ سے بازو خون آلود ہو کے گوشت ایک
طرف کو ڈھلک رہا تھا۔لوکل anasthesia سے منہا نے منع کر دیا تھا سو جتنی

جلدی ممکن ہو سکا اس نے bandadge کی تھی۔اس سارے عرصے میں وہ کمال بے نیازی سے فری wifi کا فائدہ اٹھاتی اپنی email چیک کرتی رہی تھی۔

نرس کو فریش جوس لانے کا کہتی نشا خفا چہرہ لیے اسے سہارا دے کر بٹھانے لگی۔

"It's okay میں کوئی بیمار تھوڑی ہوں"

اسکی مدد لیے بنا وہ اٹھ کے بیٹھ چکی تھی۔کھل چکے بالوں سے irritated ہوتے اس نے ایک ہاتھ سے کیچر بالوں میں دوبارہ سیٹ کیا۔

"تمہارے چہرے پہ کیوں بارہ بج رہے ہیں بہن "نشا کی خفگی کو سمجھتی وہ مصنوعی حیرانگی سے بولی تھی۔بنا اسے کوئی جواب دیے نشا اپنی سیٹ پہ جا بیٹھی۔مکمل سنجیدگی سے اُسکا چہرہ دیکھا۔

"اپنی ذات کا بھی ہم پہ کوئی حق ہوتا ہے منہا، مانا کہ تم بہت مضبوط، کبھی نہ ٹوٹنے والا حوصلہ لے کر پیدا ہوئی ہو لیکن تمہارا یہ جسم گوشت پوست کا بنا ہوا ہے۔تمہاری اس غفلت کا نتیجہ پتہ ہے کیا ہو سکتا تھا؟ hypoglycemic shock۔۔۔اتنا خون بہہ چکا ہے تمہارا اور تم اتنے سکون سے بیٹھی ہو۔ڈرپ تک لگوانا تمہاری شان

www.neweramagazine.com

کے خلاف ہے۔خود پہ رحم کرو یار۔۔اپنی ذات کا حق تو نہ مارو۔"اسکے سختی سے کہنے پہ منہانے سر جھکالیا۔

"I was in a far away area and it took two hours to reach me here۔"

نشا کو مزید غصہ آیا۔

"تو زمین کے اس حصے پہ کوئی نہ کوئی ہسپتال تو ہوا ہی ہوگا نہ اب یہ مت کہہ دینا کہ تم مریخ پہ سفر کررہی تھی جہاں گولی تو لگ سکتی ہے مگر کوئی ڈاکٹر نہیں مل سکتا"اسکے مسلسل پھولے چہرے کو دیکھ کر منہانے میسنی سے شکل بنائی۔

"Don't worry Nisha it's just a small wound..I can still move my hand"

"Small wound? Minha are you kidding me?oh plz don't do this yaar you'll make it more worst"

اسے بازو بلند کرتے دیکھ کر وہ چیخی تھی۔

منہا اسے دیکھ کے مسکرائی۔

"میں بلکل ٹھیک ہوں نشا۔ تمہیں پتہ تو ہے یہ جسمانی تکلیفیں میرا کچھ میں بگاڑ سکتیں" اس کے لہجے میں نا محسوس سی آنچ تھی۔نشا نے گہری سانس لی۔

"اگر میں تمہیں جانتی نہ ہوتی تو ضرور پوچھتی یہ چوٹ کیسے آئی لیکن اب نہیں پوچھوں گی۔ تمہیں تو اپنی ذرا پرواہ نہیں ہے۔ منہا چہرہ دیکھو اپنا۔زرد ہو رہا ہے بلکل۔یہ جوس فروٹس سب 10 منٹ میں ختم کرو" رعب جھاڑتے ہوئے اس نے ڈپٹا تھا۔

منہا نے "او" کے سے انداز میں لبوں کو سکیڑتے گلاس اپنے سامنے کیا

"غلط پتہ ہے تمہیں کہ مجھے اپنی جان عزیز نہیں۔آف کورس مجھے اپنی جان عزیز ہے کیونکہ میرے جانیز کو میری جان عزیز ہے" وہ اپنی مخصوص جون میں لوٹ چکی تھی۔ جبھی ایک لمحے کو تھمی۔ مشکوک نظر سے اسی گھورا۔جوابا نشا نے اس سے زیادہ مشکوک شکل بنالی۔

"وعدہ کرو میرے جانے کے بعد آنی کو کال کر کہ ساری تفصیل نہیں بتاؤ گی؟"

بھوری آنکھیں سکیڑے دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائے وعدہ لے رہی تھی۔

"ہم" زوردار ہنکارا بھرتے نشا نے اُسکا چہرہ دیکھا۔ پھر دو انگلیوں سے اپنی گردن چھوتے ہوئے اتنی مسکین شکل بنائی کہ منہا مزید مشکوک ہو گئی۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے جانے کے بعد آنی کو کال کر کہ ضرور ایک ایک بات بتاؤں گی۔ اور جب تمہاری عزت افزائی ہو رہی ہو گی نہ تب بھی آن کال رہوں گی" کمال ڈھٹائی سے کہتے اس نے آگے جھک کر اُسکی ٹھوڑی ہلائی تھی۔ منہا کی شکل کے زاویے ایسے بگڑنے کہ کیا ہی کسی چڑیل کی شکل ہو گی۔

"You cheater۔۔۔

کیوں میری آنی کی ننھی جان کو ہلکان کرو گی۔ شرم نہیں آئے گی تمہیں اس عمر میں اُنہیں یوں شاک دیتے"

نشا نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑائی۔

چند لمحے دونوں ایک دوسرے کو غصے سے گھورتی رہیں اور اگلے ہی لمحے کمرہ دونوں کے بلند و بانگ قہقہہ سے گونج رہا تھا۔

منہانے سیب اٹھا کہ اُسے کھینچ مارا جسے وہ کمال مہارت سے کیچ کر گئی۔

"کمینے پن میں تو تم نے مجھے بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے"

"بلکل۔کیپٹن منہا زراج کو کون ہرا سکتا ہے"

ooooooooooooooooo

اسے واپس گھر پہنچتے شام کے تین بج چکے تھے۔گاڑی پارک کر کہ وہ آنی کی طرف آ گئی۔آنی اور کنزہ ڈرائنگ روم میں ہی صوفہ پہ بیٹھی باتوں میں مصروف نظر آئیں۔

باآواز بلند سلام کرتے ہوئے بیگ ایک طرف کو اچھالتے وہ گرنے کے سے انداز میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔اُسکی bandage کو آنی نے غور سے دیکھا

"کنزہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے اب خدا کے لیے کسی بات پہ پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کرنا"

وہ طنزیہ بولی تھیں۔

وہ شرمندہ سا مسکرائی۔

جانتی تھی کنزہ نہ بھی بتاتی تو نشا میڈم زندہ باد۔

"میں یہ نہیں کہوں گی منہا کہ دوبارہ ایسے مت کرنا کیوں کہ مجھے پتہ ہے تم اپنی حفاظت کرنا جانتی ہو لیکن۔۔۔اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالا کرو بچے۔۔۔مت بھولا کرو کہ تمہاری ماں آج بھی ہر دستک پہ تمہاری راہ تکتی ہے۔ تمہیں اور ارحم کو دیکھ کر میری سانسیں چلتی ہیں منو۔۔۔اپنے آپ کو اذیت مت دیا کرو یار۔۔۔بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے" وہ اُسکی ماں نہیں تھی مگر ماں سے بڑھ کر تھیں۔اُنکی آنکھ میں آنسو وہ کسی صورت برداشت نہیں کرسکتی تھی۔فوراً اُٹھ کر اُنکے پاس آئی تھی۔باہوں کے گھیرے میں لے کر نرمی سے اُنکے کندھے پہ سر رکھ گئی۔

"ایم سوری آنی آپکو پتہ ہے جہاں فرض آگے آجائے وہاں جان پیچھے کردینی پڑتی ہے۔ آپکی ذات تو میرے دل کا سکون ہے اور کوئی اپنے ہاتھوں اپنا سکون برباد نہیں کرسکتا" نرم لہجے میں کہتی بدقت اُسنے آنکھ میں آنے والے آنسو کو واپس دھکیلا تھا وہ رو کہ اُنہیں پریشان نہیں کرسکتی تھی

"میں جانتی ہوں میری بیٹی مجھے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی" انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔جواباً اُنکے دونوں گال چومتی ہوئی وہ ایک بار پھر ان سے لپٹ گئی۔ان کی گود

میں سکڑی سمٹی نرم ونازک منہا کو دیکھ کر کوئی بھی اس کے دو گھنٹے پہلے کے کارنامے پہ یقین نہ کر پاتا

کنزہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے یہ جذباتی سین دیکھے گئ۔

پیار کا یہ انداز کہاں دیکھا تھا اُسنے۔

پچلے ڈیڑھ گھنٹے میں اُسکی اُن سے اچھی بات چیت ہوگئ تھی جس سے اندازہ ہوا اُنکی مشفق اور مہرباں ہستی کا۔

"سخت بھوک لگی ہے آنی اٹھیں لنچ کرتے ہیں" اگلے لمحے وہ بھوک بھوک کا شور مچاتی دونوں کو اندر لے گئ۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

OOOOOOOOOOOOO

کنزہ کو آنی کے پاس چھوڑ کے وہ شام کے سات بجے سر ضیغم کے آفس آگئ۔آج کی رپورٹ دینے کے بعد وہ اٹھنے کا سوچ رہی تھی جب سر ضیغم نے روکا تھا۔

"کیپٹن منہا آپ کی سر براہی میں آپکی ٹیم کو ایک اور ٹاسک دیا جارہا ہے۔آفتاب

دیسوالی کے نام سے تو آپ واقف ہی ہوں گی"

وہ چونکی تھی۔

"آفتاب دیسوالی۔۔۔آفتاب اینڈ سنز کے چیف ایگزیکٹو"اس نے ملک کی سب سے مشہور کمپنی کا نام لیا۔

"Yes"انہوں نے سر اثبات میں ہلایا

منہا کی بھنویں بھینچ گئی۔وہ مستعدی سے ان کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"ایک بزنس سیمینار کے سلسلے میں اُنہیں ملک سے باہر جانا ہے۔کہاں جانا ہے یہ ابھی معلوم نہیں۔انہوں نے آرمی سے اسپیشل سیکورٹی کے اپیل کی ہے۔جوانکی پوزیشن کو دیکھتے ہوئے قبول کرلی گئی ہے۔آپ اور آپکی ٹیم فارن پروجیکٹس میں نمبرون رہی ہیں سو بلا جھجک میں نے آپکی ٹیم کوsuggestکیا ہے۔ I hope I'm not wrong.you can do it in a perfect manner

"Of course sir۔ it's my pleasure to be able to handle this. When are we supposed to leave?"

اس نے سنجیدگی سے سوال کیا

"کل رات آپکو مسٹر دیسوالی کی رہائش پہ پہنچنا ہے۔اُنکی فلائٹ پرسوں صبح 7 بجے کی ہے

آپ کو اپنا چارج کال شام 7 بجے سنبھالنا ہے۔کنٹری اور سٹی کا نام میں آپکو رات تک ٹیکسٹ کر دوں گا"۔انکی بات ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"Sure Sir"

سلیوٹ کیا تھا اور الٹے قدم واپس مڑی تھی۔

"ایک منٹ منہا" وہ لمحہ بھر کو چونکے تھے۔ ٹھٹھک کہ اُسکا بازو دیکھا تھا حالانکہ وہ اُنہیں گن شاٹ کے بارے میں بتا چکی تھی۔

وہ جہاں تھی وہی رک گئی۔

"آپکا زخم---I think we must consider it

Don't worry

میں کیپٹن داور کی ٹیم بھیج دیتا ہوں" انکی بات پہ اُسنے ایک نظر اپنے بازو پے ڈالی۔

کاٹن کی لائٹ بلو شرٹ پٹی کی وجہ سے ابھری لگ رہی تھی۔ ہلکی مسکراہٹ نے اسکے لبوں کو چھوا۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے سر۔ بڑے کاموں کی قیمت بھی تو بڑی چکانی پڑتی ہے نا۔ یہ معمولی سا زخم میرے کام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ ویسے بھی حالات ٹھیک کرنے کے لیے انسان کو اپنے ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ حالات ٹھیک ہو جائیں تو انسان ٹھیک ہو ہی جاتا ہے" اس کی آنکھوں میں عزم اور ہمت کے دیئے روشن تھے۔ اُسکی بہادری کی داد دیتے ہوئے انہوں نے V کی شکل میں دو انگلیوں کو جوڑا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ooooooooooooooo

اگلی دوپہر وہ کھانے کی میز پہ اُنکے ساتھ تھا نیو یارک پوش ایریا میں بنا یہ عالیشان بنگلہ اُنکی امارت و حیثیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ احمر نواز کے باپ دادا پچھلی نصف صدی سے یہاں مقیم تھے اُنکے دادا برٹش نیشنل ہونے کے ساتھ ساتھ تقسیم ہند کے وقت ایک اہم سرکاری عہدے پہ فائز تھے۔ تقسیم ہند کے دوران پاکستان یا ہندوستان کے بجائے اُنہیں نے امریکا میں رہائش کو ترجیح دی تھی۔ اپنے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی وجہ سے اگر یہ

کہا جائے کہ احمر نواز منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے تو یہ غلط نہ ہو گا۔اپنے والد کے برعکس،احمر نواز نے بزنس کی تعلیم حاصل کی اور بزنس کی دنیا میں اپنا نام بنایا۔قسمت اُن پہ مہرباں تھی۔مٹی کو ہاتھ لگاتے تو وہ سونا ہو جاتی اُنکی کامیابی کا گراف کم عمری میں ہی بلندیوں کو چھونے لگا۔انکا بزنس دن بدن بڑھتا گیا مگر اس کامیابی نے اُنکی ذات میں ایک غرور پیدا کر دیا۔وہ اپنے آپ کو بہت بلند اور دوسروں کو کمتر سمجھنے لگے۔کاروباری دنیا میں وہ کتنے ہی کامیاب سہی مگر ذاتی زندگی میں وہ غیر معمولی حد تک ناقابل برداشت تھے۔ان کے اس مزاج کو دیکھتے ہوئے اُن کی والدہ نے آمنہ بیگم کا انتخاب کیا تھا جو اُنکے والد کی دوست کی بیٹی تھیں۔انکا تعلق پاکستان سے تھا لیکن والد کے یہاں شفٹ ہونے کی بعد پچھلے 15 سال سے یہیں مقیم تھے۔کم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت حسین اور کم گو سی آمنہ اُنہیں اپنے بیٹے کے لیے بہت پسند آئی تھیں۔صلح جو اور مفاہمت پسند۔اور اُنکے اس رویئے نے احمر نواز کی مردانہ آنا کو بہت تسکین دی تھی اور یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ آمنہ بیگم کو شریک حیات تو دور کی بات کبھی کبھی انسان بھی نہیں سمجھتے تھے۔اُن کے اس رویئے سے کسی اور کو فرق پڑا ہو یا نہیں لیکن عالمین احمر، جسے وہ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے،اُنکے اس رویے سے دو ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔اسکے لیے جتنا اہم باپ تھا اسے کہیں زیادہ اہم ماں تھی۔وہ

ایک طرف اپنے باپ سے بے حد محبت کرنے کے باوجود اپنی ماں کے حوالے سے اُن سے کھنچ گیا تھا جسکا اُسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

اپنے ماں باپ سے محبت کے معاملے میں وہ خود کو بے بس پاتا تھا۔اور بے بسی جب حد کو پہنچ جاتی ہے تو انسان فرار ڈھونڈھنے لگتا ہے اور اُسنے بھی ڈھونڈ لیا تھا۔MBA کے بعد خاندانی بزنس کو سنبھالنے کے بجائے اس نے آئیدا کو جوائن کیا تھا۔اُن کی اپنی کمپنی کے مقابلے میں عائدہ کچھ بھی نہیں تھی مگر اُسکی ضد کے آگے احمر نواز ہار گئے تھے۔اس کے منہ سے نکلی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہوئے انہوں نے عالمین کو خود سے دور لاس ویگاس بھیج دیا تھا۔

"تم کل کیوں نہیں آئے عالی۔میں پورا دن تمہارا انتظار کرتا رہا" میز کی سربراہی کرسی پہ براجمان وہ محبت سے اُسے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

عالمین کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا۔

"ایم سوری dad۔آئندہ ایسا نہیں ہوگا" پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے اس نے اُنہیں دیکھا تھا۔مستقل بیماری نے اُنہیں کمزور کر دیا تھا۔پہلے سا رعب و طنطنہ اس سے غائب تھا۔

"It's okay

مجھے اندازہ تھا ورنہ میرا بیٹا اپنے باپ کو بھول ہی نہیں سکتا" ان کی بات پہ وہ ہلکے سے مسکرایا۔ واقعی وہ اُنہیں دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"Very correct----

میرے پاپا جیسا کوئی ہے بھی تو نہیں۔۔۔ یہ بتائیں اتنے کمزور کیوں ہو رہے ہیں۔ لگتا ہے اپنی medicine سے کوئی دوستی نہیں ہوئی ابھی تک آپکی" اُسکا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ پچھلی سب تلخیاں بھلائے اُسنے سامنے امی جان کو دیکھا جو مدھم مسکراہٹ لیے خاموشی سے اسکے سامنے مختلف ڈشیز رکھ رہی تھیں۔

اور ہاں۔۔۔ کوئی دیکھتا تو جان پاتا کہ جو ستارے عالمین احمر کی آنکھ میں اپنی ماں کا عکس بن کر جگمگاتے تھے انکی روشنی تو چاند کو بھی مات کرتی تھی۔

"یار بڑھاپے میں دوائیوں سے دوستی نہ بھی کرو تو وہ ایک کبھی نہ چھوڑنے والا دوست بن ہی جاتی ہیں۔ ویسے ایڈیسن بتا رہا تھا 25 کو تمہارا کوئی ایونٹ ہے یہاں پہ؟؟" ان کی بات پہ وہ اُلجھا تھا۔ آنکھیں سکیڑتے کچھ سوچنے کی کوشش کی تھی اور تبھی اُس کے

www.neweramagazine.com

ذہن میں جھماکہ ہوا تھا

"اووہ یس۔۔۔ سر ایڈیسن کی new branch کا inauguration ہے" اور یہ یاد آنا تھا۔اُسے منہاذراج یاد آئی تھی۔

"That's very good. Edison is a very competitive and proactive person as well۔ I'm proud to be the father of his CEO. You've proven yourself"

اُن کی بات پہ وہ منہا کا خیال جھٹک کر اُن کی طرف متوجہ ہوا۔اپنے لیے انکا فخر ہمیشہ اُسے شاداں کر دیا کرتا تھا۔یہ احساس کہ وہ اپنے باپ کا قابل فخر سرمایہ ہے اُسکی رگ جان میں توانائی بھر دیتا تھا۔

"قابلیت تو خیر میں نے آپ سے چرائی ہی ہے لیکن وجاہت کے بارے میں کیا خیال ہے۔۔۔آپکو نہیں لگتا پاپا یہاں آپ کا بیٹا آپ سے آگے نکل گیا ہے" ہلکے مزاح سے کہتے اُس نے اُنہیں چھیڑا تھا۔جواباً انہوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"قابلیت کا مارجن دے سکتا ہوں۔۔وجاہت میں تم اپنے باپ کو اس عمر میں بھی پیچھے نہیں چھوڑ سکتے "ایک شرارتی سا جملہ وہ کہنے ہی والا تھا جب اسکے سامنے ڈش رکھتے ہوئے آمنہ بیگم کا ہاتھ چھلکا تھا۔ساتھ رکھا گلاس اُلٹ گیا تھا۔

"دیکھ کہ کام نہیں کر سکتی تم جاہل عورت۔ہم باپ بیٹا کے درمیان بدمزگی پیدا کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتی تم۔اگر ہاتھوں میں جان نہیں رہی تو نرس رکھوا دیتا ہوں تمہیں۔۔۔بستر سنبھال لو۔میری جان خلاسی کرو۔پتہ نہیں ایسی کون سی غلطی ہو گئی مجھ سے جو تمہیں میرے نصیب میں ڈال دیا"احمر نواز کی چنگھاڑتی آواز نے وہاں موجود سبھی افراد کو گنگ کر دیا تھا۔نوکروں کی فوج کے سامنے اتنی بے عزتی پر آمنہ بیگم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔پاس کھڑے ملازمین بے اختیار مدد کو آگے بڑھے تھے۔

اور عالمین احمر۔۔۔۔

وہ ضبط کی انتہا پہ تھا اس وقت۔

دل میں نفرت کی اتنی شدید لہر اٹھی تھی کہ اُسکا دل چاہا اپنی ذات کے زعم میں مبتلا اس شخص کا منہ نوچ لے۔ہاں وہی شخص جو اسکا باپ تھا۔۔۔عالمین احمر اس سے نفرت محسوس کر رہا تھا

"It's okay mama--

ملازم کر لینگے"

ٹھہرے سرد لہجے میں کہتے اُسنے ایک کاٹ دار نظر اپنے باپ پہ ڈالی تھی جو اُسے آگ میں دھکیل کر سکون سے کھانا کھا رہے تھے۔بہت خاموشی سے اُسنے اپنی پلیٹ پرے کھسکا دی۔اور اٹھ کھڑا ہوا۔

آمنہ بیگم اُسے اُٹھتا دیکھ کر بے چین ہوئی تھیں۔

"کہاں جا رہے ہو عالی کھانا تو کھا لو" اُنہوں نے روکا تھا۔

احمر نواز نے بھی اسے روکا تھا مگر وہ اس پل جیسے آتش فشاں کے دہانے پہ تھا۔بنا کوئی جواب دیے بڑے بڑے قدم اٹھاتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔پیچھے احمر نواز آمنہ پہ بگڑ رہے تھے

"تمہاری وجہ سے ہوا ہے سب۔میرا عالی کھانا کھائے بغیر ہی چلا گیا۔اپنی نحوست سے میرے بچے کو دور ہی رکھا کرو"

اُسکا چہرہ دہکنے لگا تھا۔

ایک زوردار ٹھوکر سے دروازہ بند کیا تھا

ooooooooooooooo

وہ سب اس وقت اپنی مخصوص جگہ موجود تھے۔یہ special services unit کی بلڈنگ تھی جس کے 4 فلور پہ اس وقت موجود وہ سب اپنا اگلا مشن پلان کر رہے تھے۔

انکی ٹیم 4 لوگوں پہ مشتمل تھی۔

کیپٹن طحہ منذر۔سرویلینس سپشل۔

کیپٹن رافع وحید۔ڈکٹیٹر

لیفٹیننٹ عبّاس جو بیک وقت ہیکر بھی تھا اور sensitive family information نکلوانے کا ماہر بھی۔

اور رہ گئی کیپٹن منہاز راج۔۔

تو وہ ان سب پہ بھاری تھی۔

وہ سب اس وقت میز کے گرد رکھی کرسیوں پہ بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں تھے۔ سکرین آن تھی جس پہ کچھ دیر پہلے وہ آفتاب دیسوالی کے بارے میں پریزنٹیشن دے کر اب یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔

پنسل دانتوں میں دبائے وہ اپنے اُلجھے بالوں کی لٹوں سے بے نیاز تھی۔

کونے میں ایک طرف خاموش پڑا کنٹرول سسٹم بے شمار اسکرینز سے بھرا پڑا تھا جسکے ایک طرف پوری بلڈنگ کا CCTV چل رہا تھا۔دائیں طرف دیوار گیر الماری سی ڈیز اور ہارڈ ویئر سے بھری پڑی تھی۔

"مجھے یہ بات کنفیوز کر رہی ہے کہ آج سے پہلے ہم نے کسی VIP کی سیکورٹی کا پروجیکٹ ہینڈل نہیں کیا۔ سیکورٹی کے اپنے پروٹوکولز،اپنے رولز اینڈ ریگولیشنز ہوتے ہیں اینڈ unfortunately ہم سب ہی اس سے ناواقف ہیں۔ نیو یارک کے جس ہوٹل میں سیمینار منعقد ہونا ہے وہاں ایسے پہلے بھی کئی بزنس سیمینار ہو چکے ہیں ان فیکٹ وہ ہوٹل بزنس کانفرنس اور سیمینارز کے لیے ہی مختص ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آفتاب دیسوالی کو اسی سال ہی سیکیورٹی ایشو کیوں ہوا" اُسکی بات پہ یہاں سے

وہاں پیدل مارچ کرتی منہا کے قدم رکے۔

"وہ ایک بزنس مین ہے اور بزنس میں آپکے دشمن زیادہ ہو جاتے ہیں۔یقیناً کوئی ایسی بات ہے جس سے آفتاب دیسوالی کو خطرہ ہے۔شاید اسے کوئی دھمکی دي گئ ہو۔اسے ڈھونڈھنا پڑے گا۔کیپٹن طحہ۔۔۔آپ آفتاب دیسوالي کے سارے کال ریکارڈز ٹریس کریں وہ گھر اور آفیس میں کتنے اور کون کون سے نمبر یوز کر رہا ہے۔کسی نمبر پہ بار بار بات ہوئی ہو یا محض ایک بار۔ہر نمبر کے آنر کی ڈیٹیلس حاصل کریں۔کیپٹن رافع آپ اُسکی سوشل لائف چیک کریں۔گھر کے تمام افراد اُن کی ---activities---each and everything

اینڈ لیفٹینینٹ عبّاس۔۔۔"دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کہ قدرے آگے کو جھکی وہ ہدایت دے رہی تھی۔وہ سب پوری توجہ سے اُسے سن رہے تھے

"آپ کو کچھ ہی دیر میں new york کے لئے نکلنا ہے ہوٹل میں پہنچ کہ آپنے وہاں کی ساری سیکیوریٹی ڈیٹیلس ہمیں دینی ہیں۔سیکیوریٹی means security---عام سیکیوریٹی نہیں۔ایسی سیکیوریٹی جو منظر عام پہ نہ آسکے"اُسکی بات پہ تینوں نے سر ہلا دیا۔

"Now take your position"

کہتے ہوئے وہ کونے میں بنے اپنے کیبن کی جانب آگئی۔ شیشے کی دیواروں سے بنایہ کیبن نگاہوں سے اوجھل تو نہیں مگر مکمل واضح بھی نہیں تھا

عبّاس باہر نکل گیا جبکہ رافع اور طحہٰ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہماری زندگی میں دعا کیوں ضروری ہے" ارحم نے زیرلب اُسکی بات دہرائی تھی۔ چند لمحے کے لیے جیسے وہ گردو پیش سے غافل ہوا تھا۔

"میں نوسال کا تھا جب میرے بابا کو کینسر diagnose ہوا وہ بلکل ٹھیک تھے۔ پچھّلی رات میرے ساتھ کھیلتے رہے تھے اور اگلے ہی دن ڈاکٹر نے بتایا انکا کینسر last stage پہ تھا۔ مما بہت روئی تھیں اور میں نے بابا سے پوچھا تھا کیا دنیا کی کوئی چیز اُنہیں بچا نہیں سکتی؟ وہ مسکرائے تھے اور انہوں نے کہا تھا "تم اللہ سے دعا کرو۔۔۔ دعا

مقدر کا لکھا بدل دیتی ہے۔"میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ اللہ کو کیسی دعا پسند ہے انہوں نے کہا اللہ کو اپنے بندے کی ہر دعا پسند ہے مگر جو دعا رو کہ گڑ گڑا کر مانگی جائے وہ اُسے جلدی قبول کر لیتا ہے۔اور میں نے بابا سے یہ بھی پوچھا تھا کہ رو کے دعا مانگنا اللہ کو کیوں پسند ہے۔۔انہوں نے جواب نہیں دیا۔۔۔بس وہ رو پڑے تھے۔اگلے دن بابا کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔اُنہیں icu میں شفٹ کیا گیا اور اس دن مجھے لگا میرے بابا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے تب میں بہت رویا۔ساری رات رو کے میں نے اللہ سے دعا مانگی۔میرے ذہن میں اس وقت اللہ کا کنسیپٹ بس گھر کے ایک بڑے سر براہ جیسا تھا۔۔جسکے پاس کسی بھی وقت گھر کا کوئی بھی بچہ اپنی فرمائش لیے پہنچ جائے اور وہ مسکراتے ہوئے ہر حال میں پوری کر دے۔میں نے اللہ سے ایسے ہی مانگا تھا جیسے میں ضد کر کے بابا یا مما سے اپنی کوئی فرمائش منوالیا کرتا تھا اور you know what۔۔۔" ہلکے سے مسکرایا۔

"میں نے روپیٹ کہ اللہ سے بھی اپنی دعا منوالی تھی۔6 ماہ بعد۔۔۔بابا کی رپورٹ کلیئر آئی تھی۔۔۔وہ ٹھیک ہو گئے تھے۔۔۔اللہ نے میری دعا قبول کر لی تھی۔۔ڈاکٹرز کے مطابق یہ ایک معجزہ تھا اور میرے نزدیک دعا معجزہ تھی۔آپ نے مجھ سے میری

زندگی میں دعا کی اہمیت پوچھی ہے۔۔میرے لیے دعا سب کچھ ہے اللہ کے سامنے ہار جانا۔۔اُسے قدیر مان لینا دعا ہے اور دعا زندگی کا کوئی حصہ تو نہیں ہے۔دعا تو پوری زندگی ہے۔دعا تو زندگی بخش دیتی ہے"اس وقت کو یاد کرتے اُسکی آنکھیں نم ہو گئی تھی۔

زورین خاموشی سے اُسکا پر سکون چہرہ دیکھے گئی۔

کیا دعا اتنی پر سکون چیز ہوتی ہے۔۔۔اتنی پر اثر۔۔۔

"آپ کہتے ہیں دعا زندگی ہے۔مجھے نہیں معلوم دعا کی قبولیت ہماری زندگی میں کیا تبدیلی لاتی ہے۔اللہ کے سامنے ہار جانا مجھے نہیں معلوم کیا ہے۔۔۔کیسے ہوتا ہے۔ میری دعا سے کوئی دلی وابستگی نہیں اس لیے میں دعا کو معجزہ تو نہیں کہہ سکتی لیکن ایمان ضرور کہہ سکتی ہوں"اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے وہ سادگی سے کہہ گئی۔

وہ محض مسکرا دیا۔

"جو چیز انسان کو سمجھ نہیں آتی وہ اللہ انسان کو سمجھا دیتا ہے۔وہ اپنے بندے کو اُلجھن میں نہیں چھوڑتا"وہ کسی استاد کی طرح سمجھا رہا تھا۔

سیاہ آنکھوں والے اس شخص کی باتوں میں اتنی حلاوت، اتنی نرمی تھی کہ زورین کا بے ساختہ دل چاہا کاش وہ بولتا رہے اور وہ سنتی رہے۔

"اور میری اُلجھن اللہ کب سلجھائیں گے" پتہ نہیں کیوں وہ سوال کر گئی۔

"جب آپکو لگے گا کہ دنیا میں کوئی انسان آپکے درد کو کم نہیں کر سکتا۔۔ کوئی آپکی تکلیف سمجھ نہیں سکتا تب آپکو اللہ اپنے پاس اپنے بہت قریب محسوس ہو گا۔ جب آپکا دل خالی ہو گا تو اسمیں اللہ آسمائے گا۔۔ لیکن شرط وہی ہے۔۔ دل خالی ہونا چاہیے۔۔ ہر محبت سے۔۔ ہر انسانی امید سے۔ جس طرح بھرے ہوئے گلاس میں مزید پانی نہیں ڈالا جاسکتا۔۔ بلکل اسی طرح دنیاوی محبت سے بھرے دل میں اللہ اپنی محبت اور دعا کی طلب نہیں ڈالتا"

وہ سن بیٹھی رہ گئی۔

یہ انسان کس دنیا کی باتیں کر رہا تھا۔ آج سے پہلے اُسنے کہیں ایسی باتیں نہیں سنی تھی۔

"اللہ کی محبت کے لیے دل کا خالی ہونا کیوں ضروری ہے. انسانی دل تو کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اس میں کسی نہ کسی کی محبت ہر وقت رہتی ہے۔۔ کبھی انسان کی۔۔ کبھی مال

کی۔۔۔ کبھی اولاد کی۔۔۔اور یہ سب نہ بھی ہو تو خواہشات کی۔۔۔دل طلب سے خالی تو کبھی نہیں ہوتا" ایک ٹرانس میں جیسے وہ خود سے سوال کر رہی تھی۔

"کیوں کہ خدا کو شرک پسند نہیں ہے۔جب وہ ہوتا ہے تو بس وہی ہوتا ہے۔۔۔اُسے پسند نہیں ہے کہ اس کا بندہ ایک عارضی رشتے کو۔۔ایک ناپائیدار انسان یا کسی بھی مادی چیز کو اپنی زندگی میں اوّل رکھے۔جب انسان کی دنیا سے محبت بڑھ جاتی ہے۔اللہ اُس سے دنیا چھین لیتا ہے۔یا کوئی بھی وہ چیز جو آپ کے اور اللہ کے درمیان آجائے اور اللہ کو اپنے بندے کی جُدائی گوارا نہ ہو تو وہ اُسے ہماری زندگی سے نکال دیتا ہے۔رہے آپکی باقی سوال۔۔۔اُنکے جواب آپکو زندگی خود دے گی"

وہ مسکراتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

سحر میں گرفتار زورین وہی بیٹھی رہ گئی۔

oooooooooooooo

اُسے کمرے میں تنہا بیٹھے نجانے کتنے وقت بیتا تھا۔سرخ انگارہ آنکھوں سے چھّت کو

گھورتا وہ پچھلے دو گھنٹوں سے ایک ہی پوزیشن میں لیٹا تھا

"کیا فائدہ میرے اتنے کامیاب ہونے کا اگر میں اپنی ماں کو خوشی نہیں دے سکتا"

معلوم نہیں کتنی بار وہ یہ بات سوچ چکا تھا تبھی دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔آج 23 تاریخ تھی۔دو دن بعد سر ایڈسن کا ایونٹ تھا اور وہ منہاز راج۔۔۔

"شٹ" ماتھے پہ ہاتھ مارتا وہ اٹھ بیٹھا۔اپنے منجر کو کال ملائی۔

"ہیلو جمی۔۔۔میرے بلو کوٹ کی پوکٹسچیک کروا بھی اسی وقت۔ہیں میں لائن پہ ہوں۔۔۔be quick۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نیم دراز ہو کہ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ پوری حسیات سے متوجہ تھا۔دوسری جانب سے کھڑ پٹر سنائی دی۔

کچھ لمحے بعد جو جواب دیا گیا وہ اسکے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔

"What"

وہ پوری قوت سے چلایا۔"دوبارہ چیک کرو۔میرا امپورٹنٹ پیپر تھا اسمیں گم بلکل نہیں ہونا چاہیے۔ صحیح چیک کرو جمی مکمل توجہ کے ساتھ" اُس کے زوردار لہجے پہ جمی

نے دوبارہ ہر جیب کی تلاشی کی لیکن وہاں کچھ ہوتا تو ملتا نا۔

"اوکے" وہ فون ایک طرف اچھال کے کنپٹی سہلانے لگا۔ گہرا سانس لے کے خود کو نارمل کرنا چاہا۔ اب آگے کیا کرنا تھا کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا۔ اب آخری لمحے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا میں۔ لیکن وہ پیپر گیا کہاں"

چہرے پہ پانی کے چھینٹے مارتے وہ خود کلامی کر رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں سوچ کی گہرائی پر چھائیں تھیں۔ تولیے سے چہرہ تھپتھپاتے وہ باہر نکلا ہی تھا جب اُسکا فون دوبارہ بجا۔ سر ایڈیسن کی کال تھی۔

اُسنے اسپیکر آن کیا اور اپنی wardrobe کے سامنے آن کھڑا ہوا

"ہیلو gentleman کہاں غائب ہو۔ اس دن کے بعد سے نہ کوئی کال نہ میسج۔ اتنی آسانی سے تو کوئی دشمن کو بھی نہیں بھولتا جیسے تم مجھے بھول گئے ہو" اُنکی فریش آواز سن کر اُسکا موڈ خوشگوار ہوا تھا

"دشمن کو بھولا کب جاتا ہے سر۔۔۔ اُسے تو ہر پل۔۔ ہر لمحہ یاد رکھا جاتا

ہے۔۔۔شکست کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔پسپا کرنے کو ہتھیار تیز کیے جاتے ہیں۔"اُنہیں کے لہجے میں بولتا وہ کچھ لمحے پہلے کی کیفیت سے باہر آچکا تھا۔"اوہ یہاں تو گویا طبل جنگ بج چکا ہے۔بتاؤ میری بیٹی کیسی ہے؟"وہ خاموش ہو گیا۔۔۔ایک پل کو جی چاہا ساری حقیقت بتادے۔"سر وہ۔۔۔"

وہ اُسکی بات کاٹ گئے۔

"جانتا ہوں تمہاری بیوی ہے اچھی ہی ہو گی۔ i wanna see her very soon

پرسوں آرہے ہو نہ تم لوگ؟؟دیکھو دیر مت کرنا۔۔i know کہ لڑکیاں تیار میں ہونے میں خاصا وقت لیتی ہیں لیکن تم ہلپ کروا دینا پلیز۔جلدی ہو جائیگا کیونکہ تم دونوں نے گیسٹ کو receive کرنا ہے۔ I will be waiting for you. Okay a little busy now... see you"

شرارت سے کہتے وہ فون رکھ گئے۔

"ہوہ"ایک بیزار سی سانس لیتے اُسنے فون بیڈ پہ اچھال دیا۔وارڈروب سے اپنے لیے

کوئی ساسوٹ نکالتے اُسکا بس نہیں چل رہا تھا منہاذراج کا گلا دبادے۔

ooooooooooooooooo

تھوڑی دیر بعد وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے آیا تھا۔ بلیک ٹراؤزر کے ساتھ گرے ٹی شرٹ پہنے اپنے آپ سے لاپرواہ، پیشانی پہ پڑے بالوں کو پیچھے کرنے کی بجائے آگے ہی پڑا رہنے دیا تھا کھڑی ناک اور سیاہ آنکھوں میں بے تحاشا سنہرا پن لیے وہ کچن میں چلا آیا۔

آمنہ بیگم ملازمہ کے ساتھ مصروف تھیں۔اُسکی جانب اُن کی پشت تھی۔ ہونٹوں پہ انگلی رکھتے ملازمہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ہلکے قدم اُٹھاتا وہ خاموشی سے اُنکے گرد بازو لپیٹ کے چہرہ اُن کے کندھے پہ رکھ گیا۔ ایسا کرنے کے لیے اُسے قدرے جھکنا پڑا تھا۔

ایک لمحے کو حیران ہونے کے بعد اگلے ہی پل اُن کے چہرے پہ جہاں بھر کی تازگی سمٹ آئی۔اُس کے بازو کھولتے ہوئے اپنے سامنے کیا تھا بہت محبت سے ماتھے پہ آئے

اسکے بالوں کو پیچھے کیا۔

اُسنے شرافت سے اپنا سر مزید جھکا لیا۔

آمنہ بیگم نے اُسکی پیشانی پر بوسہ دیا۔آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔

بہت سال پہلے کا منظر ذہن کے پردے پہ لہرایا تھاوہ ایک سرد سی شام تھی جب احمر نواز حسب عادت اُن سے لڑ جھگڑ کر آفس کے لیے نکلے تھے۔وجہ محض کھانے کا مینیو اُنکی پسند کا نہ ہونا تھا۔جبکہ آمنہ کے پوچھنا پہ وہ لنچ کے لیے منع کر چکے تھے۔پھر اچانک ہی لنچ پہ گھر آ گئے۔شاید افس میں کسی سے تلخ کلامی ہو گئی تھی۔عالمین اُس وقت اسکول سے آیا تھادروازے سے لگا وہ ڈرا سہما بیگ کی اسٹرپس دونوں ہاتھوں میں تھامے آنسو بھری آنکھوں سے اُنہیں چیختا چلاتا دیکھتا رہا۔

احمر نواز اُسے دیکھے بنا ہی باہر نکل گئے تھے۔اور آمنہ بیگم ایک معمول کی طرح برتن واپس رکھنے لگی تھیں۔

تنہائی پاتے ہی انکا دل شدّت سے رونے کو چاہا تھااور تبھی کوئی ننھّا سا وجود اُنکی ٹانگوں سے آلپٹا تھا۔اُن کے آنسو آنکھوں میں ہی کہیں جم گئے تھے۔وہ تین سالہ معصوم بچہ

اُن سے لپٹا ہولے ہولے لرز رہا تھا خود کو مضبوط کرتے انہوں نے ہلکا سا جھک کر اُسے اپنے سامنے کیا۔ دوزانو ہو کر بیٹھتے اُس کا جھکا سر اُوپر اٹھایا تھا۔ اس کا گیلا چہرہ دیکھ کر جیسے کسی نے اُن کا دل مٹھی میں لیے کے مسل دیا۔

"کیا ہوا میرا بہادر بچہ کیوں رو رہا ہے"

ماتھے پہ آئے بال پیچھے کرتے ہوئے اُسکی پیشانی چومی تھی

"بابا نے آپکو کیوں ڈانٹا۔ وہ ہمیشہ آپ کو ڈانٹتے ہیں۔ اتنا شاوٹ کرتے ہیں۔ مجھے بابا اچھے نہیں لگتے۔ i hate him میں اُن سے کبھی بات نہیں کروں گا" وہ روتے ہوئے اُن سے کہہ رہا تھا۔ آمنہ نے نرمی سے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا وہ آپکے بابا ہیں۔ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور ڈانٹا تو نہیں بس اُنکی فیورٹ ڈش نہیں بنی نہ تو بس موڈ آف ہو گیا ورنہ آپ کے بابا تو ورلڈ کے بیسٹ پاپا ہیں نا"

اُسے ساتھ لگائے وہ بڑی مضبوطی سے کہہ رہی تھی

"لیکن انہوں نے آپکو اگلی اورال منر ڈ کیوں کہا؟آپ تو اتنی پیاری ہیں۔سب سے پیاری۔world's most beautiful mama

میں بابا سے ناراض ہوں جب تک وہ آپ کو سوری نہیں کہینگے میں اُن سے بات نہیں کروں گا"

اس کے منہ پھلا کے کہنے پہ آمنہ بے ساختہ ہنسی تھی۔اُنہیں مسکراتا دیکھ کر عالمین کا چہرہ جگمگا اٹھا

"جب میں بڑا ہو جاؤنگا نا مما تو ہمیشہ آپکو ہنستا رکھوں گا آپ ہمیشہ ایسے ہی اسمائیل کیا کرنا۔یو نو پاپا نے غلط کہا تھا آپ تو دنیا کی سب سے خوبصورت لیڈی ہیں۔آپ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں ہے۔کوئی بھی نہیں۔"وہ رونا بھلائے اپنی ننھی انگلیوں سے اُنکے آنسو صاف کر رہا تھا۔آمنہ کا دل اپنے رب کا شکر گزار ہوا تھا حیات کی ساری تلخی جیسے مٹ گئی تھی اور آج۔۔۔25 سال بعد وہ معصوم بچہ ایک وجیہہ مرد کے روپ میں ڈھل چکا تھا۔آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ چہرے پہ سختی نے لے لی تھی۔ مگر آج بھی وہ ہمیشہ عقب سے آکر اُن کے کندھے پہ چہرہ رکھ لیا کرتا تھا۔اُسی معصومیت سے اُن سے لپٹ جاتا تھا اور اُن کا کمزور وجود اُس کے دراز قد میں کہیں

چھپ سا جاتا تھا۔اُن کی آنکھیں جھلملا آئی تھیں مگر عالمین اس سے پہلے ہی چہرے کے زاویے بگاڑتا اُنہیں ہنسنے پہ مجبور کر گیا

"چلیں ہم دونوں باہر چلتے ہیں walk پر۔میری تم سب کام سنبھال لینا دیکھو ڈنر پہ پاپا کو کوئی شکایت ہوئی تو تمہاری خیر نہیں "اُن کے ارے ارے کو نظر انداز کرتا وہ اُنہیں ساتھ لیے باہر آ گیا تھا بیچ دروازے میں رکا تھا۔

"میری مما کی شال لے کر آؤ جلدی"

میری آمنہ کے کمرے کی جانب دوڑی تھی۔

انہوں نے خفگی سے اُسے دیکھا جو ٹی شرٹ اور سلیپرز پہنے تھا۔

"اور تمہارا سویٹر کہاں ہے؟اور یہ پاؤں میں سلیپرز پہن رکھے ہیں باہر اتنی ٹھنڈ ہے عالی"

اُن کی ڈانٹ کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتا وہ ڈھٹائی سے ہنسے گیا۔

"میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں مما ایم گرون ویل۔۔۔جوان خون تو ویسے بھی بہت گرم ہوتا ہے آپ میری نہیں اپنی فکر کریں اتنی کمزور ہو گئی ہیں اپنا بلکل خیال نہیں

رکھتیں۔دنیا میں احمر نواز کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا آپکو۔عالمین احمر بھی نہیں۔ویسے یہ زیادتی نہیں ہے میرے ساتھ۔بابا یہاں بھی مجھ سے جیت گئے۔دنیا کی سب سے خوبصورت عورت کو اپنا دیوانہ بنا کر" وہ باتوں میں لگا کر اُنہیں باہر لے گیا۔

ooooooooooooo

اس نے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا کل یہاں ایک سیمینار اٹینڈ کرنے کے بعد اُسکا ارادہ سر ایڈیسن کا اپوئنٹ اٹینڈ کرنے کا تھا۔اگلے دن سب نارمل تھا اور یہی اس گھر کی روایت تھی۔

احمر نواز گزشتہ دن کی تلخی بھلا چکے تھے اور عالمین ہمیشہ کی طرح خود ہی اُن سے ناراض ہو کر راضی بھی ہو چکا تھا۔

اگلا دن کافی خوشگوار گزرا تھا۔

ooooooooooooooooo

اپنے کمرے کی گلاس وال کے ساتھ لگی وہ سامنے پھیلے لوگوں کے ہجوم کو دیکھے گئ۔

دنیا کا یہ پر امن خطہ ہر نسل اور ہر قومیت کے لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔

اپنے آپ میں مصروف، دوسرے سے قطعا بے خبر، یہاں سے وہاں گھومتے

لوگ۔۔۔

تبھی اُسکا سیل فون بجا۔ اسکائپ پہ بابا کی call آرہی تھی۔

مسکراتے ہوئے اُس نے سائڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھایا

"اسلام علیکم بابا" اُنکی آواز سنتے ہی مزاج کی ساری بیزاری اُڑن چھو ہو جاتی تھی۔

"وعلیکم اسلام بابا کی جان۔ خیریت سے پہنچ گئے آپ لوگ۔ کوئی دشواری تو نہیں ہوئی

سفر میں"

"اگر کوئی دشواری ہوئی ہوتی تو لمحے کی تاخیر کیے بنا میں آپکو کال کرتی۔ مشکل میں آپ

کے سوا کوئی دوسرا زینی کو نظر ہی کب آتا ہے" فرط جذبات سے اُسنے دو انگلیاں لبوں

سے چھو کر سکرین پہ رکھی تھیں۔ وہ محبت سے اُسے دیکھ کر رہ گئے۔

"میری دعاؤں کا حصار اتنا مضبوط تھا کہ کوئی سختی آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔"

مہربان نظروں سے وہ اُسے دیکھ رہے تھے۔

" I know

جب تک آپ کی دعائیں زینی کے ساتھ ہیں۔۔۔دنیا کی کوئی تکلیف مجھے چھو بھی نہیں سکتی۔یہ بتائیں آپنے ڈنر کر لیا؟میڈیسن لی؟؟"

وہ فکر مندی سی بولی تھی جب سکرین پہ وہاج کا چہرہ نمودار ہوا۔

ٹیبلٹ اُن کے ہاتھ میں پکڑا تا وہ گلاس سامنے ٹیبل پہ رکھ رہا تھا۔

اس کے مزاج کی ساری شگفتگی لمحے میں غائب ہوئی تھی۔تبھی وہاج نے اُس کی طرف دیکھا۔

"السلام وعلیکم"اپنی مخصوص نرمی لیے وہ بولا تھا۔

"آپ نے ابھی تک میڈیسن نہیں لی بابا۔پتہ تھا مجھے میرے بغیر بے احتیاطی ضرور کرنی ہے آپ نے"بنا اُس کے اسلام کا جواب دیے وہ گلزار حبیب پہ غُصہ ہوئی تھی۔

وہاج احمد کی ہتھیلیاں بے ساختہ سلگی تھیں۔

لب بھینچے وہ گلاس اُن سے لے کر باہر نکل گیا۔

"بری بات زینی۔ وہاج نے اسلام کیا تھا آپکو جواب بھی نہیں دیا اپنے۔ یہ کوئی طریقہ ہے کیا؟" وہ اس کی بے اعتنائی کی وجہ جاننے کے باوجود غُصہ ہوئے تھے۔

"No baba I was just worried about you"

وہ فوراً نادم ہوئی تھی۔

"No need"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روکا۔

"آپ میری بیٹی ہو کر کبھی کبھی مجھے شرمندہ کروا دیتی ہیں اور وہ میرا بیٹا نہ ہو کر بھی کبھی میرا سر جھکنے نہیں دیتا۔ زورین میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ اُسے ناپسند کرتی ہیں تو انکار کر سکتی ہیں لیکن یوں اُسکی سیلف رسپیکٹ کو ہرٹ کرنے کی اجازت نہیں دیتا" وہ سخت لہجے میں بولے تھے۔ "آپ اُس کے لیے مجھے ڈانٹ رہے ہیں بابا" اُس کی آنکھیں لمحوں میں پانیوں سے بھر گئیں۔

وہ فوراً نرم پڑے۔

"میں آپ کو ڈانت نہیں رہا بچے۔۔۔بس میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میں ایسی کوئی بھی عادت ڈیویلپ ہو جس سے کوئی دوسرا انسان ہرٹ ہو"

اُن کی بات پہ اُس نے معصوم سی شکل بنائی

وہ اُس کا انداز پہچانتے تھے۔اپنی غلطی کا احساس ہونے کے بعد وہ ایسی ہی شکل بنا لیتی تھی۔"گڈ گرل"وہ مسکرا دیئے۔

رات کے ایک بجے جب وہ اپنا کیس سٹدی کر کے سونے کی تیاری کر رہا تھا اُسکا فون بجا۔

"وعلیکم اسلام"ایک چھوٹی سی سمائل کے ساتھ زورین کا میسج تھا۔

بڑی دلفریب سی مسکراہٹ وہاج احمد کے لبوں پہ آئی تھی۔

ooooooooooooooooo

باوردی گارڈ نے اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔چوکنا انداز میں ادھر ادھر دیکھتے وہ گاڑی سے اتری تھی۔کیپٹن طحہ اور کیپٹن رافع بھی تب تک باہر آ چکے تھے۔وہ آفتاب

دیسوالی کی گاڑی میں تھی۔اُن کے اترنے کا انتظار کرتے اُس کی نظریں مسلسل چاروں طرف گھوم رہی تھی۔

سفید شرٹ کے ساتھ بلیک تھری پیس میں بھورے بال اونچی پونی میں باندھ رکھے تھے۔

سیاہ شوز کے ساتھ بھاری قدم اٹھاتی اُس کے چہرے پہ بلا کی سنجیدگی تھی۔

اُنہیں کوریڈور سے گزار کر hall میں لے جایا گیا۔ساؤنڈ پروف کوریڈور میں مڑتے ہی وہ ایک پل کو ٹھٹھک کر رکی تھی۔خاموش پڑے اس کوریڈور کے آخری سرے پہ ایک نامحسوس سی ہلچل ہوئی تھی۔

"یہ وہ راستہ نہیں ہے جو عام گزرگاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ہمیں مس گائیڈ کیا جارہا ہے" زیرلب بولتی وہ اپنے قدموں کی رفتار آہستہ کر گئی۔کان میں لگے آلے پر اُسے سنتے رافع اور طحہٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا

یکایک وہ مڑ کر آفتاب دیسوالی کے سامنے آئی تھی۔اور اسی لمحے گن شاٹ سنائی دی۔

"Save the VIP"

اونچی آواز میں بولتے ہوئے وہ پنڈلی میں بندھا اپنا پسٹل نکال چکی تھی۔آفتاب دیسوالی کے اپنے گارڈز چوکنا ہوئے تھے۔منہا سامنے کی طرف فائر کرتے ہوئے قدم بہ قدم پیچھے ہوئی۔ارد گرد بنے کمروں میں ہلچل ہوئی تھی۔رافع اور طحہ طب تک آفتاب دیسوالی کو پچھلے ہال میں لے جا چکے تھے۔گولیوں کی بوچھاڑ میں اضافہ ہو چکا تھا۔ آفتاب دیسوالی کا ایک فرد مارا جا چکا تھا۔

"بھاگو۔۔۔دس قدم پیچھے جا کر دائیں طرف کورٹ یارڈ ہے۔گو فاسٹ" اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر وہ اُنہیں بھگا رہی تھی۔تیزی سے قدم اُٹھاتا آئی وہ اوپن ہال میں آئی تھی جہاں ایک میز کے ساتھ نیچے بیٹھ کر اُس نے شرٹ کے نیچے پہنی جیکٹ سے گولیاں نکال کر اپنا پسٹل refil کیا تھا۔ارد گرد سناٹا محسوس کر کہ وہ چونکی تھی۔

"لیفٹیننٹ عبّاس کو ٹریس کرو۔تم لوگوں کی دائیں طرف بنے دروازے کے پیچھے ہال کا back door ہے۔تم لوگ ہال میں پہنچو میں دس منٹ میں آئی۔" اپنی بات مکمل کر کہ وہ تیزی سے اٹھی تھی۔بائیں طرف کو پوزیشن لے کر فائر کیا تھا۔پلر کے پیچھے کوئی وجود زمین پہ جا گرا تھا ایک ساتھ کئی گولیاں چلی تھیں۔دائرے میں گھومتی بنا رکے وہ فائر کیے گئی تبھی پچلے کوریڈ اور میں سائے کا سا گمان گزرا۔آگے پیچھے گرے

NEW ERA MAGAZINE .com

لوگوں کے اُوپر سے چھلانگ لگائی وقت ضائع کیے بنا کوریڈور میں پہنچی تھی۔ایش گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ شخص ارد گرد سے بے نیاز چلا جا رہا تھا۔ساؤنڈ پروف دیواروں کی وجہ سے وہ یقیناً گولیوں کی آواز سننے سے محروم رہا تھا۔اُسکی بے پروائی پہ تنتناتی ہوئی وہ اُسکی جانب بڑھی تھی چار قدم کا فاصلہ ایک قدم میں طے کر کے ساتھ بنے کمرے میں اُسے دھکا دیا تھا۔اندر داخل ہو کہ زور سے دروازہ بند کیا تھا اور پاؤں اٹھا کے دروازے کے اُوپر بنے شیشے سے کوریڈور میں جھانکا تھا جہاں اس وقت خاموشی کا راج تھا۔

اپنے آپ میں مگن ہال کی طرف بڑھتا عالمین اپنی گردن دبوچے جانے پہ کچھ سوچ بھی نہیں سکا تھا جب اُسے لا کر کمرے میں پٹخ دیا گیا۔اندھیرے سے مانوس ہوتے اس نا گہانی افتاد پہ وہ غصّے سے پلٹا تھا۔بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس پاؤں اُوپر کو اُٹھائے باہر جھانکتی وہ لڑکی غالباً کچھ بول رہی تھی بھورے بالوں کی اونچی پونی ٹیل ادھر ادھر جھول رہی تھی۔

ایک پر سکون سانس لیتا عالمین دیوار سے ٹیک لگا گیا۔بے دردی سے اُسے گھسیٹ کر پٹخ دینے والا منہاز راج کے سوا اور کون ہو سکتا تھا

"تھینک گاڈ" بالوں میں ہاتھ پھیر کر زیرِ لب مسکراتا ہوا وہ اُس کے پلٹنے کا انتظار کرنے لگا۔

"کیپٹن رافع۔۔۔عبّاس سے رابطہ ہوا؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"گڈ۔۔یہاں سب کلین بولڈ ہے۔حالات ہمارے ہاتھ میں ہیں۔وہ جو کوئی بھی تھے سیکیوریٹی کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔اس واقعے کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔ vip save ہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"اُس نے ہاتھ مار کہ لائٹ آن کی۔

"ٹھیک ہے میں 5 منٹ میں تم لوگوں کو ملتی ہوں"

کہتے ہوئے خود کو ریلیکس کرتی وہ پیچھے مڑی تھی مگر سامنے کھڑے شخص کو دیکھتے ہی اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔اپنے اندازے کی درستگی پہ عالمین دل سے مسکرایا تھا۔اس وقت اُسے منہاز راج کی کتنی ضرورت تھی یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی

اُسے اپنی طرف دیکھتا پا کہ عالمین نے ایک دوستانہ مسکراہٹ سے نوازتے ہاتھ ہلایا تھا۔

منہا نے ماتھا پیٹ لیا۔

" Not again"

یار۔۔۔تم یہاں کیسے آ گئے۔تم تو غالباً لاس ویگاس میں تھے نا۔اوہ۔۔۔مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے تمہارا کوئی خزانہ چرایا ہے پھر تم یہاں کر کیا رہے ہو"دونوں بازو سینے پہ باندھے کھوجتی نگاہوں سے اُسے دیکھتی منہاز راج اُسے حیرت میں مبتلا کر گئی۔

وہ کیا سمجھ رہی تھی اُسے۔؟؟

چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ کی جگہ یکایک سختی در آئی۔

"Excuse me

اپنی طرف سے اندازے لگانا بند کریں آپ اور اس خوش فہمی سے باہر نکل آئیں کے میں آپکی خاطر یہاں آیا ہوں۔میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ آپ یہاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوتا تو آپ کو لگتا ہے میں اپنا دماغ خراب کرنے یہاں آتا۔میں ایک بزنس۔۔۔۔"

اوہ پلیز"....ترشی سے وہ اس کی بات کاٹ گئی۔

"سٹاپ دس نان سینس۔۔میرے چہرے پہ آپکو کہیں یہ بیوقوف لکھا نظر آ رہا ہے؟؟

اُس دن بھی آپ کسی بزنس کانفرنس کی بات کر رہے تھے۔اتنے بڑے بزنس ٹائیکون ہیں نہ آپ تو آپکی سیکیوریٹی کہاں ہے۔آپ کو معلوم بھی نہیں ہے کیسے موت کے منہ سے نکال کر لیا ہوں میں آپکو۔حد ہوتی ہے مبالغہ آرائی کی بھی" بیزاری سے کہتی وہ واپسی کو مڑی تھی

"منہا ایک منٹ" وہ اُسکی جانب لپکا تھا۔مگر وہ دروازہ کھول کہ باہر جا چکی تھی۔

اب پیاسے کو کنویں کے پاس تو جانا ہی تھا نا۔۔۔

"Excuse me miss---miss minha zaraaj"

بڑے بڑے قدم اٹھاتی وہ دس قدم کا فاصلے طے کر چکے تھی۔اُسکی آواز پہ آنکھوں میں طیش لیے وہ دبی آواز میں غرائی تھی۔

"سرِعام یوں پکارنا شریفوں کا وطیرہ نہیں ہوتا۔۔۔غلطی کی آپ کو بچا کر۔اگلی بار گمان بھی گزرا کہ آپ ہیں تو اپنے ہاتھوں سے گولی چلا دوں گی۔معاف کرو یار" اُس کے چہرے پہ اتنی بیزاری تھی کہ عالمین ساکت رہ گیا۔

اور آخر میں ہاتھ جوڑ کر پیشانی تک لے جاتی وہ اُسے طیش دلا گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بھاڑ میں جاؤ تم۔عالمین احمر مرا نہیں جارہا تمھارے لئے"

اس پہ دو حرف بھیجتے کھولتے دماغ کے ساتھ وہ ہال کی طرف پلٹ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

آج ہم جارہے ہیں۔وہاں کی لوکیشن اور وہاں کے لوگوں سے انٹرایکشن کے بعد آپکو یہاں کے کلچر اور ٹریڈیشنز کا اندازہ ہو جائیگا۔"

اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پہ ریاض صاحب نے اطلاع دی۔

"آپ مجھے لوکیشن بتادیں میں ایک دو دن میں خود وہاں چلی جاؤں گی۔کسی اور کو میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے خاص طور پہ سارے اسٹاف کو" بیزار سے تاثرات لیے وہ سلائس منہ میں رکھ رہی تھی۔رویحہ نے غصے سے اُسے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ارحم کا دروازہ بجارہی تھی جو اس وقت سکائیپ پہ پاکستان بات کررہا تھا

"کم ان" کہہ کر وہ دوبارہ laptop کی طرف متوجہ ہوا لیکن اندر آنے کی بجائے ایک بار پھر دستک دی گئی تو اُسے اٹھنا پڑا۔

"ارے آپ" زورین کو وہاں دیکھ کر حیران ہوا

جو ہلکی پھلکی چیک کی شرٹ کے ساتھ سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ سر پہ حسب معمول سیاہ حجاب لے رکھا تھا گلے میں لٹکتا کیمرہ اور پشت پہ بیک پیک پہنے وہ کہیں جانے کو بلکل تیار تھی

"اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو کیا آپ مجھے کمپنی دے سکتے ہیں" جھجک کہ کہہ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"Sure why not---

لیکن جانا کہاں ہے؟"

بنا کچھ جتائے وہ بولا تھا۔اُس کے انداز پہ وہ آرام دہ ہوئی۔

"بس یونہی۔ ہسٹوریکل واک---actually اب ہم بارسلونا آ ہی گئے ہیں تو کیوں نا رومن تاریخِ کو بھی یاد کر لیا جائے" اُس کے چہرے پہ نگاہ جمائے اُس نے بات مکمل کی تھی "آف کورس۔ بلکل ٹھیک سوچا آپ نے ان فیکٹ میں خود بھی کچھ ہی دیر

میں کہیں نکلنے کا ہی سوچ رہا تھا۔

Just give me 10 minutes"

"آل رائٹ۔۔۔ میں لابی میں آپکا ویٹ کر رہی ہوں"

اس کے کمرے سے لے کر لابی کے صوفے پہ بیٹھنے تک وہ مسلسل ارحم لاشاری کو سوچ گئی۔ بابا کے بعد وہ پہلا مرد تھا جس سے اس نے فیور مانگی تھی شاید اس لیے کہ وہ ایک ڈیسنٹ انسان تھا۔ جبھی اُس کے کچھ دیر پہلے کہی گئی کسی بات کا حوالہ دیے بنا ایک معمول کی طرح اُس کی بات مان گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بمشکل دس منٹ گزرے تھے جب وہ آتا دکھائی دیا

لائٹ بلو شرٹ کے ساتھ بلیک پینٹ اور بلیک ہی ہڈی۔ پاؤں میں جوگرز۔

وہ بلکل عام حلیے میں تھا۔

بالوں میں جیل لگا کر، ٹائی باندھ کہ سوٹ پہنے، سکرین پہ نظر آتے پروفیشنل ارحم لاشاری سے بلکل الگ۔۔۔۔

"تھینکس" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ارحم نے سوالیہ ابرو اُچکائے۔

"میری آفر قبول کرنے کے لیے جبکہ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کچھ دیر میں کہیں بھی نہیں جانے والے تھے"

اس کی بات پہ ارحم نے لبوں پہ آئی مسکراہت روکی۔

"میرے دروازے پہ چل کے آنے والی ہستی زورین گلزار حبیب کی تھی انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"اُس نے یوں کہا جیسے اُس سے بڑا تو زورین کا کوئی فین دنیا میں ہے ہی نہیں۔

"ہم۔۔۔اگرچہ حوالہ بڑا مضبوط ہے لیکن اس وقت میں کوئی رائٹر۔۔۔کوئی celebrity نہیں بس زورین ہوں۔۔اپنے باباکی ذینی"اُن کے ذکر پہ بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ نے اسکے لبوں کو چھوا

"Well said miss zorain"

اُسکی بات سے محظوظ ہوتا وہ مسکراتے ہوئے چل پڑا۔زورین بھی اسکے پیچھے چل دی۔

باہر نکل کہ اُنہوں نے ٹیکسی کی تھی۔ارحم اس دوران اپنے فون پہ بزی رہا تھا جبکہ وہ

گردن اُٹھائے باہر کی دنیا میں مگن رہی تھی۔

ٹیکسی سرخ اینٹوں والی پکی سڑک پہ رکی تھی۔اُس نے گردن اٹھا کر اُوپر دیکھا۔سرخ پتھر سے بنی پکی عمارتیں۔۔۔نسبتاً تنگ گلیوں والی یہ جگہ رومن تاریخ میں خاصی اہمیت کی حامل رہی تھی۔

"Gothic quarter"

نویں صدی میں یہ جگہ رومن فوج کے لیے امن کے دونوں میں تفریح گاہ سمجھی جاتی تھی۔انٹرنس کے بلکل سامنے سرخ مضبوط پتھروں پہ الگ الگ BARCINU کندہ تھا۔

یہ اس زمانے میں بارسلونا کا پرانا نام تھا۔

اور یہ تھا بارسلونا کہ قدیم ترین شہرِ۔۔

Gothic quarter--

"ٹورسٹ اٹریکشن ہونے کی وجہ سے بہار کے موسم میں یہاں کافی رش ہوتا ہے۔اور ہم چونکہ اس موسم میں یہاں آئے ہیں تو امید ہے کہیں رش میں گھر کے گم نہیں

ہونگے۔اینڈ یو نو واٹ یہاں کا موسم پاکستان۔کے موسم جیسا ہی ہے۔"ارد گرد موجود لوگوں پہ نگاہ دوڑاتے زورین نے گویا اُسکی معلومات میں اضافہ کیا

" Impressive

اسکا مطلب ہے اگر مستقبل میں یہاں permanent residency اختیار کی جائے تو یہ جگہ ہمیں اجنبیت کا بالکل احساس نہیں دلائے گی".

نے کندھے اُچکائے زورین

"جگہیں تو کبھی بھی اپنائیت یا اجنبیت کا احساس نہیں دلا تیں۔یہ وصف تو انسانوں کا ہوتا ہے۔بہت گہری وابستگیاں ایک پل میں پرائی ہو جاتی ہیں یوں جیسے رشتے کی کوئی ڈور کبھی درمیان میں تھی ہی نہیں"

وہ اب گردن میں لٹکا کیمرہ آنکھوں پہ ٹکائے کھٹاکھٹ تصویریں بنا رہی تھی۔

کیمرہ ہونے کی وجہ سے وہ اُسکا چہرہ نہیں دیکھ سکا مگر اُسکا لہجہ بلکل اسپاٹ تھا

"ایک پل میں پرایا کر دینا صرف انہی لوگوں کا وصف ہوتا ہے جو آپ سے اپنا کوئی

رشتہ کبھی بناہی نہیں پائے ہوتے۔آپ کے اپنے اور بہت خاص رشتے زندگی میں کبھی آپکو disown نہیں کرتے۔تنہا نہیں کرتے" وہ یوں بول رہا جیسے زندگی اسکے لیے تو ہمیشہ ہی پھولوں کی سیج رہی ہے

"آپکی رائے بلکل درست ہے لیکن اپنی یہ اوپنین ہم لوگوں پہ اپلائی نہیں کر سکتے۔ لوگ وہی کرتے ہیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔وہی سوچتے ہیں جو وہ سوچنا چاہتے ہیں۔آپ نے صحیح کہا کہ ہمارے اپنے ہمیں کبھی تنہا نہیں کرتے لیکن وقت بہت سفّاک ہوتا ہے ارحم صاحب۔یہ ہماری زندگی میں صرف زمانے کا فرق نہیں ڈالتا یہ لوگوں کے دلوں میں رشتوں کا قبرستان بھی بنا دیتا ہے"

اُسکی بات پہ ارحم بے ساختہ پچھتایا۔

وہ بھلا کیوں بحث کر رہا تھا اسکے ساتھ۔

زورین گلزار حبیب کے ساتھ۔

وہ جو لفظوں کے سحر سے لوگوں کے دل باندھ دیا کرتی تھی اُس کے پاس دلیلوں، ثبوتوں اور لفظوں کی کمی ہو سکتی تھی بھلا۔

وہ خاموش سا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے GOTHIC QUARTER کی تنگ گلیوں کے سروں سے جھانکتی تاریخ کو دیکھتا رہا۔

اُسے مسلسل خاموش پا کر وہ اُسکی جانب متوجہ ہوئی۔

"کچھ غلط کہا میں نے؟"

براہِ راست اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اُس نے سوال کیا۔

اس اچانک سوال پہ ارحم نے اُسکی طرف دیکھا۔کیمرہ اب گردن سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔سیاہ بالوں کی کچھ لٹیں چہرے کے گرد آن پڑی تھیں۔بڑی بڑی آنکھوں میں ہلکا تاسف لیے وہ سوالیہ اُسے دیکھ رہی تھی۔

"بلکل نہیں مس زورین گلزار حبیب کیسے غلط ہو سکتی ہیں" وہ مسکراہٹ دبائے بولا تھا

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے میں بھی غلط ہو سکتی ہوں اور اگر میں غلط ہوں تو آپ مجھے کہہ سکتے ہیں۔ویسے آپکو پتہ ہے میرے بابا بھی یہی کرتے ہیں فوراً ٹوک دیتے ہیں مجھے" یہ تیسری بار تھا جب وہ اُس کے منہ سے اپنے بابا کا ذکر سن رہا تھا

"آپ اپنے بابا سے بہت اٹیچڈ ہیں؟" اُس نے سوال کیا تھا اور۔

"میرے بابا میرے جینے کی وجہ ہیں" یہ جملہ نہیں۔اُسکی زندگی کی ٹھوس وجہ تھی۔

"I see---

لڑکیاں ویسے بھی اپنا بابا سے زیادہ اٹیچ ہوتی ہیں۔تو آپ siblingzمیں تو کافی لڑائی ہوتی ہو گی اس بات کو لیے کر۔۔۔ نہیں؟؟"

وہ اب چلتے ہوئے hangmanکے سامنے آکھڑے ہوئے تھے

"I am the only child"اُس نے یوں کہا جیسے اس میں اُس کا کمال تھا۔

" چلیں پھر تو لڑائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" وہ محظوظ ہوا۔

"آپکو اس hangmanکی ھسٹری معلوم ہے؟"ارحم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

" Hangman

ایک ایسا انسان تھا جسے کوئی بھی اپنا پڑوسي بنانے کے لئے تیار نہیں تھا۔لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔اس کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور اُن سب نے مل کر اُسے الگ کر دیا۔اس گلی کے سب سے آخری کونے میں اُسے اکیلا کر دیا تاکہ سب ہی اُسے اپنے اِرد گرد دیکھنے کی مشقت سے بچ جائیں" زورین کی بات سنتے ہوئے وہ دیوار میں

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نصب اس باریک دروازے کو دیکھے گیا جس کے مکین کو صدیوں پہلے اس جگہ کے باشندوں نے دھتکار دیا تھا۔

"تو ثابت ہوا کہ اتنی ڈھیر ساری نفرتیں سہنے کے بعد بھی انسان تاریخ میں اپنا نام بنا ہی لیتا ہے" وہ متاثر کن انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا۔

زورین ہر اینگل سے تصویر بنانے کے بعد اُس کے پیچھے آئی۔

وہ کافی آگے نکل گیا تھا۔ ذرا سا پیچھے مڑ کر اُسے دیکھا جو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ادھر اُدھر گردن گھماتی اُسکی طرف آرہی تھی

دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ دیوار سے ایک ٹانگ ٹکا کر اُسکا اِنتظار کرنے لگا۔

"نفرتوں کے ساتھ انسان مر ہی سکتا ہے۔ اور موت کے بعد چاہے لوگ آپ کو یاد رکھیں۔ خراج تحسین پیش کریں یا آپ کے مجسمے بنالیں۔۔ امر دہ انسان کہ کوئی فوق نہیں پڑتا۔ جینے کے لیے تو محبت کا سہارا چاہیے ہوتا ہے" اُسکے پاس پہنچتے ہی اُس نے اُسکی معلومات میں اضافہ کیا

"اچھا۔۔۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا اس بات کا" اُسکی اداکاری پہ زورین ہنس پڑی۔

وہ بھی مسکراتے ہوئے اُس کے ہمقدم ہوا۔

"اب ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"Brisbe bridge"

"اوراس میں کیاخاص بات ہے" دوبارہ سوال۔

"وہاں پہنچ کہ پتہ چل جائیگا۔صبر سے چند قدم انتظار کرلیں گے توآپ کے اعصاب پہ اچھااثرپڑے گا"اُسی کے انداز میں مسکراہٹ لبوں میں دبا کر بولی تو ارحم نے ایک ابرو اچکاکراُسے دیکھاجسے ان سنا کرتی وہ تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔

"اپنی شکل وصورت سے یہ برج پانچ سوسال پرانالگتاہے لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگئی کہ یہ محض نوے سال پراناہے۔ایک امریکی آرکٹیکٹ نے 1921 میں یہاں کی رومن ایمپائرسے ان دوعمارات کو کنیکٹ کرنے کے لئے ایک انٹیک برج بنانے کی تجویز پیش کی تھی جسے کافی پس وپیش کے بعد قبول کرلیاگیا۔اور1928 میں یہ برج اپنی تعمیر کے آخری مراحل کو پہنچا"

دیکھنے میں انتہائی قدیم نظرآتاوہ برج محض نوے سال پراناتھا۔۔۔حیرت کی بات تھی۔

"ویسے یہ کوئی برا آئیڈیا تو نہیں تھا اور رومن ایمپائر نے اس پہ اتنا سوچنے کی زحمت کیوں کی" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا تھا

"ابھی اس برج میں ہمارے لیے ایک بہت انٹرسٹنگ چیز بھی ہے آجائیں میں آپ کو دکھاتی ہوں" وہ بچوں کے سے جوش سے آگے بڑھی تو ارحم نے اُس کی تقلید کی۔

برج کے بلکل نیچا بنے پلر پہ ایک نہیں تین انسانی کھوپڑیاں بنائی گئی تھی۔

"یہ کیا ہے" وہ حیران ہوا

"اتنے شاندار برج کے نیچے اتنی خوفناک چیز۔۔۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند والی بات ہو گئی یہ تو۔ کافی عجیب ہے یہ نہیں،،؟" وہ تو سٹریٹ میں موجود اکا دکا لوگوں کو دیکھ کہ حیران تھا جو بڑی عقیدت سے ان کھوپڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو اس کے بارے میں کچھ نہیں پتہ۔ ویسے پتہ تو مجھے بھی نہیں ہے لیکن شاید اپنی بات کے رد کیے جانے کا بدلہ اُس آرکٹیکٹ نے یہ اتنی ہیبت ناک کھوپڑیاں بنا کہ لیا ہے بہر حال انٹرسٹنگ بات یہ ہے کہ۔۔۔ ان کھوپڑیوں کو دیکھتے ہوئے پیچھے کی طرف چند قدم لیتے آپ جو بھی وش کریں وہ پوری ہوتی ہے"

"واقعی "اس کی بات پہ حیران ہوتا وہ پنجوں کے بل پورے کا پورا اُسکی جانب گھوم گیا

" Do you really believe this?"

وہ حیرت زدہ سا پوچھ رہا تھا زورین نے نیم رضامند سا چہرہ بنایا۔

"Yes I do. And there's no reason to refuse it"

وہ بولتے ہوئے قدم پیچھے کو اٹھانے لگی۔

ارحم لاشاری حیرت سے آنکھیں وا کیے اُسے دیکھتا رہا جو بڑی عقیدت سے آنکھیں اُن کھوپڑیوں پہ جمائے پیچھے کو قدم اٹھا رہی تھی۔ زیر لب کچھ بولتے ہوئے وہ اُس سے دور ہوتی چلی گئی۔

بھنویں سکیڑے وہ اس عجیب و غریب لڑکی کو دیکھتا رہا۔

oooooooooooooooooo

وہ سیمینار کا سب سے آخری پریزنٹر تھا۔اُس کے سٹیج پہ نمودار ہوتے ہی ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا تھا۔

ایش گرے ڈنر سوٹ کے ساتھ نیوی بلیو ٹائی لگائی چہرے پہ نرم مسکراہٹ لیے وہ عالیشان مرد اس سمے کتنے دلوں کی دھڑکن تھا۔یہ اندازہ لگانا مشکل ہر گز نہیں تھا۔ہال کے آخری کونے میں یہاں سے وہاں ٹہلتی منہا نے بے یقینی سے سکرین پہ نمودار ہوتا چہرہ دیکھا تھا دو تین بار بھی پلکیں جھپکانے پہ منظر نہیں بدلا تھا۔سفید رنگت پہ ہلکی بڑھی شیو لیے بلاشبہ وہ وہی تھا جس کے ساتھ 7 گھنٹے قبل وہ انتہا درجے کی بد تمیزی کر چکی تھی۔

"Very bad"

اس کے ماتھا پیٹنے پہ رافع اور طحہ نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا

"کیا ہوا" وہ چونک کہ اُن کی جانب مڑی

"آہاں کچھ نہیں بس ایسے ہی سر میں درد ہو رہا تھا" جلدی سے بات بنائی۔

"میڈم آپ کچھ دیر کے لیے rest room میں چلی جائیں ہم یہاں پر ہیں سب

سنبھال لینگے "کیپٹن رافع نے یقین دھانی کرائی

"نہیں میں بلکل ٹھیک ہوں آپ لوگ پریشان نہ ہوں"

اب وہ اُنہیں وجہ بتائے سے تو قاصر تھی۔

بھرپور تالیوں سے ایک بار پھر اُسے سراہا گیا۔

اس سال کی اُس کی سیلز ڈیٹیلس سکرین پہ آ رہی تھی۔

وہ ایک بزنس ٹائیکون ہی تھا

تقریب کے اختتام پہ آفتاب دیس والی عالمین احمر کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کیپٹن رافع اور کیپٹن طحہ اُن کے آس پاس تھے۔ منہا قدرے دائیں طرف کو اندھیرے میں کرسی رکھے وہیں سے اُن پہ نظر رکھے ہوئے تھی۔

ویسے بھی اُس میں اس وقت عالمین احمر کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

تبھی آفتاب دیسوالی نے اُسکی تلاش میں نگاہ دوڑاتے رافع سے اُس کے بارے میں پوچھا تھا۔ اُس کی آواز اپنے کان میں سن کر وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اُنکی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہی اچھا ہوتا عالمین احمر تم آج مجھے نہ ملے ہوتے۔ مل ہی گئے تھے تو میں نے وہ سب بکواس نہ کی ہوتی۔ اف۔۔۔زندگی کبھی کبھی کتنی بے رحم ہو جاتی ہے نا۔" اپنے آپ کو کوستی وہ اُن کے پاس پہنچی۔

اسے سامنے دیکھ کر ایک پل کو عالمین چونکا تھا اور اگلے ہی پل سختی سے لب بھینچ گیا۔

اس کے چہرے کا تناؤ وہ واضح محسوس کر رہی تھی۔

"کیپٹین منہا ہماری واپسی کا شیڈول کیا ہے ان فیکٹ مسٹر عالمین ہمیں ڈنر پہ انوائٹ کر رہے ہیں اور اگر قسمت مہربان ہو جائے تو ناشکری نہیں کرتے" اُن کی بات پہ اُس نے بس لمحہ بھر کو منہا کی طرف دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے نگاہ پھیر لی تھی۔

"یس سر آپ آج رات ان کے ساتھ ڈنر کر سکتے ہیں آپ کی فلائٹ کل صبح دس بجے کی ہے" انہیں مطلع کرتے اس نے دانستہ نگاہ چرائی تھی۔

"تھینک یو مس منہا۔ تو مسٹر عالمین آج کا ڈنر آپکی طرف ڈن ہوا۔ کبھی آپ بھی پاکستان تشریف لائیں اور ہمیں مہمان نوازی کا موقع دیں" اُنکی پر خلوص آفر پہ عالمین

مسکرا دیا۔

"میں پاکستان ضرور آتا مسٹر دیسوالی مگر پاکستانی لوگوں کے ساتھ میرا تجربہ کچھ اچھا نہیں رہا۔ان فیکٹ مجھے ملنے والے پاکستانی ہمیشہ بہت آفنڈڈ ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد بد تمیز بھی واقع ہوئے ہیں" منہا دانت پیس کر رہ گئی۔بظاھر آفتاب دیسوالی سے بات کرتا وہ اُسے سنا رہا تھا۔

"ارے ایم ریئلی سوری فار دیٹ۔اینڈ ٹرسٹ می سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ آپ ایک موقع تو دیں اپنی وفاداری ثابت کرنے کا۔آپ کے اعتبار کو ہر گز ٹھیس نہیں پہنچے گی۔"

عالمین نے ایک کاٹ دار نظر منہا پہ ڈالی تھی۔

"Excuse me"

اُن سے معذرت کرتی وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

ooooooooooooooooo

مما کو کال پہ ڈنر ریڈی کرنے کا کہتا ہوا وہ بازو پہ کوٹ ڈالے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بیسمینٹ میں اپنی کار کی طرف آ رہا تھا نیوی بلیو شرٹ کے اُوپر نیوی بلیو لّا ینینگ والی ٹائی وہ نکلتے ہی ڈھیلی کر چکا تھا۔ کل کے فنکشن کو سوچتا وہ اُسے اپنی گاڑی کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران ہوا۔ اگلے ہی لمحے صبح والی بے عزتی کا احساس عود کر آیا۔

وہ صبح والے حلیے میں ہی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اونچی پونی ٹیل ڈھیلی ہو کر کی لٹیں چہرے کے اطراف بکھری پڑی تھیں

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں مس منہا اس وقت آپکو مسٹر دیسوالی کیا ساتھ ہونا چاہیے" بیسمینٹ کے اس حصے میں روشنی قدرے کم تھی۔ ملگجے پھیلے اس اُجالے میں منہا اُسکا غصے بھرا چہرہ دیکھ سکتی تھی

"میں جانتی ہوں آپ یقیناً اس وقت میری یہاں موجودگی ایکسپیکٹ نہیں کر رہے ہو گے۔ صبح تک میں نے بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ رات گئے میں آپکی گاڑی کے ساتھ لگ

کر کھڑی آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی"

"اوہ۔تو مس منہاز راجّ مجھے excuse کرنے آئی ہیں۔ویسے آپکو نہیں لگتا صبحِ اتنا اوورری ایکٹ کرنے کی بجائے آپکو میری بات سن لینی چاہیے تھی لیکن آپ کے ساتھ مسلہ پتہ ہے کیا ہے مس منہا آپ اپنے آپ کو کوئی بہت اونچی چیز سمجھتی ہیں۔بلکہ نہیں۔۔۔آپ تو دوسروں کو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں۔آپ کو لگتا ہے آپ کے ارد گرد موجود لوگوں کو ہر وقت آپ پہ دادو تحسین کے ڈونگرے برسانے چاہیے۔آفٹر آل ائی ایس آئی

کی افسر ہیں آپ۔۔۔بہت قابل۔۔۔بہت ذہین اور ہاں بہت حسین بھی..."وہ صبح کی بے عزتی کا بدلہ چکا رہا تھا۔

منہا نے بھینچے لبوں سے اُسکی بات سنی تھی۔اُس کی خاموشی پہ لمحہ بھر کو عالمین کو اپنے رویئے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری مسٹر عالمین احمر۔۔میرا ارادہ کبھی بھی آپ سے بدتمیزی کرنے کا نہیں تھا لیکن معلوم نہیں آپکو سامنے دیکھ کر میری زبان رک کیوں نہیں پاتی۔اسمیں قصور میرا بھی نہیں ہے کیوں کہ ہمیشہ حالات ہی ایسے ہوتے ہیں کہ۔۔۔"کندھے

اُچکاتے وہ اپنی غلطی مان کر اُس پہ گویا احسان کر رہی تھی

"ایک شرط پہ معافی مل سکتی ہے آپکو"

آمنے سامنے کھڑے وہ دونوں نفوس روشنی کی راہ میں ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

منہاکے ابرو سوالیہ اٹھے۔

"بڑا کاروباری انسان ہے۔اس میں بھی فائدہ ڈھونڈ رہا ہے"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ میرا excuse accept کرتے ہیں یا نہیں۔میں یہاں صرف اس لیے ائی تھی کہ کسی بھی انسان سے ایسے پیش آنا میری ذات کا خاصہ نہیں۔اب آپ مانیں یا نہ مانیں۔۔۔اپنا دل صاف کریں یا نہ کریں منہا ذراج کو کوئی فرق نہیں پڑتا"اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے کہا تھا۔

"یہ جان کر بھی کے اس دن آپ کے میرے روم میں پائے جانے کے بعد آپ کے حوالے سے مجھے کیا فیس کرنا پڑا ہے"جواباوہ اُس سے بھی زیادہ سرد لہجے میں بولا تھا۔بنا پلک جھپکائے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا مطلب۔۔۔کیسی باتیں۔۔۔" بھوری آنکھوں میں اُلجھن ابھری تھی۔

"آپ کو میری وائف سمجھا جا رہا ہے۔آپ کے اور میرے رشتے کو لے کے لوگ آپ سے ملنے کے لیے ایکسائٹڈ ہو رہے ہیں۔سوری۔۔۔آپ سے نہیں۔۔۔میری وائف سے۔۔۔اور یہ بیریئر مجھے میرے بزنس سرکل سے آ رہا ہے۔آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ میری بزنس ریپو اس سے کتنی بری طرح اسپوئل ہو رہی ہے" سیاہ آنکھوں نے اپنی بے چینیوں کی وجہ واضح کی تھی۔

منہا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جائیگا۔چند لمحوں کے لیے وہ بلکل ساکت رہ گئی تھی

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں" اُس نے پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں" پریشانی سے کہتا وہ اپنا کوٹ اور فون گاڑی پہ رکھ کر کنپٹی سہلانے لگا

"کل میری کمپنی کی نیو برانچ کا افتتاح ہے اور ہم اُس میں چیف گیسٹ ہیں" لفظ ہم پہ وہ بے اختیار ہی نظریں اُٹھا گئی۔

"ایم سوری۔۔۔ مسٹر اینڈ مسز عالمین" دونوں ہاتھ اٹھا کہ کہتا وہ اپنی غلطی مان گیا تھا

"آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا کل آپ میرے ساتھ ایک دو گھنٹے کا فنکشن اٹینڈ کر سکتی ہیں۔" اُس کی اگلی بات پہ منہا کے ہوش اُڑے تھے۔

"مسٹر عالمین احمر میں اتنی فارغ ہر گز نہیں ہوں کہ کسی کا بھی کوئی بھی مسلہ حل کرنے کہیں بھی پہنچ جاؤں۔ نا معلوم کیسے لوگ ہونگے وہاں اور یہ فیک ریلیشن شپ میں بلکل pretend نہیں کر سکتی" اُس کے سلگ کے کہنے پہ عالمین کو تاؤ آیا

"مس منہا زراج میں مرا نہیں جا رہا آپکے ساتھ کے لیے اپنا ایٹیٹیوڈ لے کے یہاں سے چلی جائیں۔ اپنے مسلے حل کرنا میں جانتا ہوں" وہ اب اُس کے سامنے سے ہٹنے کا اِنتظار کر رہا تھا۔

منہا کو اچانک ہی اپنے لہجے کی تلخی کا احساس ہوا۔

خفا خفا سا دھر اُدھر دیکھتے وہ اسکا وجود بھلائے ہوئے تھا۔ منہا نے اپنا فون اُس کی جانب بڑھا دیا

"اپنے نمبر پہ کال کر لیں" اُس کی بات کا مطلب سمجھتے ایک مشکور نظر اُس پہ ڈالتے عالمین نے اُسکا فون پکڑا تھا۔

اپنا نمبر ڈائل کیا تھا۔اسکے فون کی سکرین بلنک ہوئی تو اُسنے فون واپس اُسے پکڑا دیا۔

"تھینک یو" مدھم مسکراہٹ سے بولا تھا۔

وہ جواب دیے بناواپس مڑ گئی تھی۔

ooooooooooooooooo

اگلے دن وہ sagrada familia کے سامنے کھڑے تھے۔

Casa mela، casa baela کے بعد وہ اب تارِیخ کی اس قدیم ترین عمارت کو دیکھ رہے تھے۔

تاریخ کی قدیم ترین زیر تعمیر عمارت جسکی تعمیر پچھلے 137 سال سے اب تک جاری ہے۔

مسیحی عبادت گاہوں کی عکاسی کرتی۔۔۔آرٹ، فزیکل اور نیچرل سائنس کے امتزاج میں ڈھلی یہ دنیا کی خوبصورت ترین عمارت تھی۔

بس سٹاپ سے اتر کے وہ درختوں کے سائے میں چلتے ہوئے اس کے بلکل سامنے آ

اکھڑے ہوئے۔

سڑکوں پر رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

زورین نے سر اٹھا کر اس عمارت کا آخری سرا تلاشنے کی کوشش کی تھی مگر 173 میٹر کی بلندی پہ عمارت کا آخری سرا اُس کی نظر میں آنے سے ناکام رہا تھا۔

دو رویہ لگے درختوں کے نیچے بینچ اس وقت سنسان پڑے تھے۔

بس سٹاپ پہ ہلکی سی گہما گہمی تھی۔

"Antoni gaudi نے یہ عمارت بناتے ہوئے قدرت کے عظیم اصولوں کو مد نظر رکھا ہے۔

He was inspired by the celebration of nature۔

عمارت میں اُس نے قدرت کا عکس اُتارا ہے۔ یہ عمارت جو کمپیوٹر کے زمانے سے بھی بہت پہلے کی ہے"۔

دیمک زدہ لکڑی سے ملتا جلتا تاریخ کا یہ شاہکار سیاحوں کے لیے بے پناہ جاذبیت سمیٹے ہوئے تھا۔ بلند و بالا عمارت کے وسط میں نصب مجسمہ اپنے اِرد گرد انسانوں کا ایک ہجوم

سمیٹے ہوئے تھا

عمارت کے نچلے حصے میں عیسائیوں کا مسیحی شاہکار۔۔۔انکا بنایا ہوا حضرت عیسی کا مجسمہ صلیب سے لٹک رہا تھا جس کے ارد گرد دعا کے سے انداز میں ہاتھ باندھے، سر جھکائے لوگ کھڑے تھے۔

سامنے سے بہت ساری تصویریں لے چکنے کے بعد وہ اس پر شکوہ عمارت کے اندرونی راستہ کی جانب چل پڑے تھے جو پچھلی جانب تھا۔

اُسکی کمنٹری جاری تھی۔

"رومن اور greek art میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ یونانی عمارات عموما ورٹیکل اور horizontal پوسٹ پہ ہوتی ہیں جب کہ رومن عمارتیں آرک یا ڈوم بیسڈ ہوتی ہین۔جب تک کسی میٹریل کو سٹریسیڈ رکھا جاتا ہے۔۔۔اُسکی shape برقرار رہتی ہے۔رومنز کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی۔antoni gaudi نے آرک کا یہ آئیڈیا ایک رسی سے لیا اگر آپ ایک رسی کو دو مضبوط اروں سے باندھ دیں تو اُس پہ ٹینشن entirely distribute ہو جائے گا اور اُس hanged rope کو اگر الٹا دیا جائے تو یہ ڈوم بن جاتا ہے"

زورین ایک ماہر گائیڈ کی طرح بتا رہی تھی۔یوں جیسے صدیوں سے یہاں کے باشندوں اور اُن کی تاریخ سے واقف رہی ہو

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اس buildingکا اسٹرکچر کچھ عجیب نہیں ہے" وہ اب اندر داخل ہو چکے تھے۔

یہاں کے ستون درختِ کے تنوں کی طرح بلندی پہ جا کے اپنی شاخوں سے canopiبناتے ہوئے چھت کے سانچے میں ڈھالنے ہوئے تھے۔

ہیومن ربِ کیج کی طرح spiral downstairs۔۔۔

کچھ بھی نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔

وہ دونوں بلکل خاموشی سے اپنی جگہ ایک طلسم کے زیر اثر اس جادوئی سنگ تراش کی مہارت کو داد دے رہے تھے۔

"آپ اپنا کام کب شروع کر رہی ہیں" سامنے بنے ریستوراں سے کافی لے کر بینچ پہ بیٹھتے ارحم نے استفسار کیا۔

"انشاءاللہ کل سے۔ان فیکٹ مجھے بابا کی بہت یاد آ رہی ہے۔میں جلد از جلد کام ختم کر

کے ان کے پاس جانا چاہتی ہوں" اکا دکا گزرتے لوگوں پہ نگاہ جمائے اُس نے کافی کا

سپ لیا۔

اُس کی فیورٹ وائٹ فلیٹ کافی۔

"اچھی بات ہے"

"میں آپکو تھنکس کہنا چاہ رہی تھی۔۔۔ میرے لیے وقت نکالا آپ نے اپنی شیڈول

سے۔ آئی understand ہر انسان کی اپنی ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں اپنی پریفرنسز ہوتی

ہیں۔ بائی دا وے آپ نے مجھے اپنی family کے بارے میں کچھ نہیں بتایا"

وہ تکلف کی دیوار گرانا چاہ رہا تھی۔

"میری فیملی میں میری امی کے علاوہ ایک سسٹر ہے۔ کہنے میں تو وہ مجھ سے بڑی ہے

لیکن اسکا دماغ مجھ سے بھی چھوٹا ہے" اور اگر جو منہا اُس کے سامنے ہوتی تو کیا وہ یہ کہہ

پاتا؟؟

"پھر تو آپ لوگوں کی بانڈنگ بہت strong ہو گی کیوں کہ چھوٹے بھائی اپنی

بہنوں کے لیے بہت caring اور protective ہو جاتے ہیں" وہ اُسکی بات پہ

ایسے مسکرایا جیسے کسی بچے کی سادگی پہ مسکرایا جاتا ہے۔

"ہماری فرینڈشپ میں تو کوئی شک نہیں لیکن protective۔۔۔۔"

کنپٹی کو دھیرے سے سہلاتا وہ منہا کی حرکتیں یاد کرکے مسکرایا۔

"اُسے میری پروٹکشن کی کبھی ضرورت ہے نہیں پڑی۔اس معاملے میں وہ کافی خود کفیل ہے۔"زورین بڑے جذب سے اُسکی مسکان کو دیکھا۔

" You know sometimes I really wish I had any siblings۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں اُس سے بہت سارا لڑتی، باتیں سناتی، غُصہ کرتی لیکن پھر اسکی گود میں سر رکھ کے رو لیتی۔بہت خوبصورت ہوتی ہے نا بھائی بہن کی محبت۔لیکن۔۔۔

I have no regrets۔ I do have baba in my life۔

وہ میرے سب سے اچھے دوست ہیں مجھے ڈانٹتے ہیں، غُصہ بھی کرتے ہیں لیکن پیار بھی کرتے ہیں۔میں اُنہیں ڈانٹ دوں تو چپ چاپ میری ڈانٹ بھی سن لیتے ہیں۔"اپنی آخری بات کو جیسے خود ہی enjoy کیا تھا۔

ساتھ ساتھ بیٹھے اُن دو لوگوں میں کچھ بھی مشترک نہیں تھا۔ حتٰی کہ رشتے بھی نہیں

"آپ کے ڈائیلاگز سن کر مجھے لگا تھا کہ شاید آپ 30's کی لائن میں کوئی mature سی عورت ہوں گی۔ لیکن اسمیں قصور میرا نہیں آپ کی تحریروں کی پختگی کا ہے۔ آپ کے لکھنے کا انداز الفاظ کا چناؤ۔۔۔ منظر نگاری۔۔ ہر چیز بہت منفرد اور اپنے آپ میں مکمل ہوتی ہے"

زورین کے تاثرات بلکل نہیں بدلے۔ یہ تبصرہ اب اُس کے لیے نے حد عام ہو چکا تھا۔

""آپکو برا تو نہیں لگا میرا یوں کہنا" اُسکی خاموشی پہ ارحم جز بز ہوا۔

"نہیں۔ اس میں برا لگنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یہ بات میرے لیے نئ نہیں ہے تو بس ایسی لیے"

"آپ بہت real ہیں زورین۔۔۔ ہمیشہ ایسے ہی رہیے گا۔ عام لوگوں کی طرح آپ کے دِل میں کچھ اور زبان پہ کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی چیز آپ کو اچھی نہیں لگتی تو بھی آپ کہہ دیتی ہیں نتائج کی پرواہ کیے بغر۔ لوگ ایسا نہیں کرتا۔ people pretend very well"

وہ اسکے وضاحت دینے پہ محظوظ ہوئی۔

"مسٹر ارحم آپ کو اپنی بات defend کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے آپ کی بات بری نہیں لگی کیوں کے آپ نے سچ ہے کہا ہے انسان کو زندگی میں حقیقی ہی ہونا چاہیے۔ چیزیں آسان ہو جاتی ہیں کسی حد تک۔اس سے لوگوں کی judgments آپ پہ اثرانداز نہں ہو تیں" بنا پلک جھپکے وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

"

مس زورین آپ رائٹر ہیں آپ جو بھی لکھتی ہیں وہ آپ کے اپنے دماغ کی تخلیق ہوتی ہے۔آپ لوگوں کو۔۔۔اُن کی زندگیوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتی ہیں۔ آپکی مرضی سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔لیکن زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔زندگی ہمیں ایسے بہت سے کرداروں سے متعارف کرواتی ہے جنہیں ہم چاہتے ہوئے بھی اپنی زندگی سے نکال نہیں پاتے۔اُنہیں برداشت کرنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔تب ہم ریئل نہیں رہ سکتے۔ان فیکٹ اپنی یہ originality اُس وقت ہمیں منہ کے بل گرادیتی ہے"۔

"ہاں. زندگی کی یہی بات تو بری لگتی ہے مجھے۔ناپسندیدہ چیزوں ہے کے ساتھ نہیں

کبھی کبھی ناپسندیدہ انسانوں کے ساتھ بھی ہر حال میں گزارنی پڑتی ہے "اُس کے لہجے میں آزردگی گھل گئی۔ نگاہوں میں وہاج کا چہرہ آسمایا تھا

"دکھائی دینے والی ہر چیز سچ بھی نہیں ہوتی۔ کبھی کوئی شخص ہمیں اس لیے برا نہیں لگتا کہ وہ برا ہوتا ہے بلکہ اس لیے برا لگتا ہے کہ ہم اُسے برا سمجھتے ہیں"

"آپ مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں مسٹر ارحم؟"

وہ آنکھوں پہ دھوپ سے بچنے کے لیے ہاتھ رکھتی اُسکی طرف گھومی۔

اُس کے عقب میں سورج اپنی آخری منزل کی جانب رواں دواں تھا۔

"یہی کہ جس شخص سے کبھی شدید نفرت رہی ہو۔۔اُس سے محبت بھی شدید ترین ہوتی ہے"

عام سے لہجے میں کہا گیا وہ جملہ زورین گلزار حبیب کو ساکت کر گیا۔

کافی کا کپ اٹھا کی بن میں اچھالتے وہ سوچ کر رہ گئی۔

"زورین گلزار حبیب کو اگر وہاج احمد سے محبت ہوئی تو یہ اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہو گا"

oooooooooooooooo

"یہ کیا ہے" اُسے دیکھتے ہی وہ حیرت سے چیخا تھا۔ منہا نے بے نیازی سے خود پہ نگاہ کی۔ وائٹ سٹریٹ ٹراؤزر پہ پیچ شرٹ اور منی جیکٹ۔ بالوں کی مخصوص پونی ٹیلی بنائے وہ بڑے سکون سے اُس کی گاڑی میں آبیٹھی تھی۔

"کیا مطلب کیا ہے کپڑے ہیں اور کیا لگ رہا ہے تمہیں" وہ رکھائی سے کہہ کر سیٹ بیلٹ باندھنے لگی۔

"اس حلیے میں تم پارٹی میں جاؤ گی؟؟ لڑکی اس حلیے میں تو میں تمہیں کسی ریستوراں میں لے کر نہ جاؤں اور تم پارٹی پہ جانے کا سوچ رہے ہو" وہ خود اس وقت بلیک ٹو پیس میں تھا۔ بالوں کو جیل لگا کر ایک سائڈ پہ ڈال رکھا تھا۔

"اس حلیے میں پارٹی کون جارہا ہے ڈفر انسان۔۔۔ آپ مجھے سیلون لے کر چل رہے ہیں۔ اگر آپ کو نہیں یاد تو یاد دلانا میرا فرض ہے کہ میں یہاں ایک آفیشل کام سے آئی تھی پارٹیز اٹینڈ کرنے نہیں۔ سو شرافت سے اپنی گاڑی کسی اچھے سیلون کی جانب موڑ

لیں۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ اپنے فون میں مصروف ہو گئی "تم منہازراج کاش میں تمہارا سر پھاڑ سکتا. مجھے کوئی علم نہیں ہے new york کے کسی سیلون کا اورنہ ہی آپ سے پہلے کسی فیمیل کو سیلون لے کہ جاتے رہنے کہا تجربہ رہا ہے مجھے" جتنا وہ اُس سے بچنا چاہ تھا اتنا وہ سے پہ سوار ہو رہی تھی۔

"اوہ ہیلو مسٹر۔۔۔ یہ رعب کس پہ جھاڑ رہے ہیں آپ احسان مانیں میرا کہ اپنے اتنے قیمتی وقت میں سے آپ کے اس نام نہادر بیبو کے لیے وقت نکالا ورنہ منہاذراج اتنی فالتو نہیں ہے۔اور ہاں یہ رہا سیلون۔۔۔ یہاں سے رائٹ لے لیں1" کسی کا احسان نہ رکھنے والی منہازراج اپنا احسان کیسے بھول سکتی تھی۔

ماتھے پہ بل ڈالے وہ اُسکی بتائے ہوئے راستے کو فالو کرنے لگا تھا۔ منہا مستقل اپنے فون میں بزی تھی۔اُس کے ریڈی ہونے تک وہ اس کا ڈریس اور دیگر چیزیں لے آیا تھا۔

دو گھنٹے کے طویل انتظار کے دوران وہ وہاں موجود سب میگزینز دیکھ چکا تھا۔

کھٹکے پہ اُس نے سر اٹھایا۔

وہ اسکے سامنے موجود تھی۔

اُسکی لائی ہوئی پلم میکسی میں ملبوسِ۔

بھورے بالوں کرل کیے ایک طرف کو ڈال رکھے تھے۔ صبیح چہرے پہ میک اپ کی ہلکی سی تہہ نے اُس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا۔

وہ حسین تو تھی مگر بے نیاز بھی۔۔۔اور اس بے نیازی نے اُسے اور بھی حسین کر دیا تھا۔

وہ تیزی سے اُس کی جانب بڑھا۔

"تھینک گاڈ تم آ گئیں۔ کتنا لیٹ ہو چکے ہیں ہم اب پلیز جلدی سے آؤ" وہ عالمین احمر تھا۔ صنف نازک کے سبھی ہتھیار اُس پہ بے اثر تھے۔۔۔ لیکن منہاز راج تو اُس پہ کوئی وار کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ اپنے حلیے سے اُسے سخت اُلجھن محسوس ہی رہی تھی۔

"کب ختم ہو گا فنکشن" اُس کے سوال پہ عالمین حیران ہوا۔

"میڈم ابھی تو ہم وہاں پہنچے بھی نہیں اور آپ کو ابھی سے فنکشن ختم ہونے کی ٹینشن ہو رہی ہے" وہ اُس کے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

اُن دونوں کی جوڑی کو بے حد سراہا گیا اور ستائش تو واقعی اُن کا حق بنتی تھی۔ اگر بلیک ٹو

پییں میں عالمین احمر شندار لگ رہا تھا تو منہاز راج بھی اپنے معمول سے مختلف اس حسن وزیبائش میں کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔

سر ایڈیسن نے بہت محبت سے اُس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"میرا بیٹا تو شہزادہ ہے ہے مگر میری بیٹی شہزادیوں سے بھی بڑھ کے ہے "اُن کے انداز پہ وہ شرمندہ ہوئی

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے آپ کی بیٹی کے پنجے بلیوں سے بھی زیادہ تیز ہیں جنھیں چلانے کو یہ ہمہ وقت تیار رہتی ہیں۔"عالمین کے کہنے پہ منہا نے اُسے گھورا۔

"آف کورس تم اسے تنگ کرتے ہوگے تو جوابی کاروائی تو اسکا فرض بنتی ہے ناں" وہ بڑی آسانی سے اُس کی سائڈ لے گئے۔

بے اختیار ہی وہ مسکرائی تھی۔

" بلکل۔۔۔کش ایسا ہو ہوتا۔۔۔آپ کی بیٹی سچ میں اتنی ہی معصوم ہوتی جتنی اس وقت لگ رہی ہے "کن اکھیوں سے اُسے دیکھتا وہ لطیف سا طنز کر گیا۔

تقریب کا مہمان خصوصی ہونے کی وجہ سے سب کی توجہ اُن پر تھی مگر نہ جانے کیوں

منہا پہ پڑنے والی ہر نظر عالمین کو بے چین کر رہی تھی۔

"میں مزید کھڑی نہیں رہ سکتی میرے پاؤں تھکنے لگے ہیں۔آج سے پہلے میں نے کبھی اتنی زیادہ دیر کے لیے ہائی ہیلز نہیں پہنی" چہرے پہ جبری مسکان سجائے وہ اُس کے کان میں غرائی تھی۔عالمین کان پہ ہاتھ رکھے بے ساختہ پیچھے ہوا تھا۔

"بہرہ نہیں ہوں میں سن سکتا ہوں تمہیں اور مزید دس منٹ کی ہی تو بات ہے میں سر سے بات کر کے نکلتا ہوں" وہ آگے بڑھا ہی تھا جب منہا نے اُسے واپس کھینچا۔

"تم اجازت لو یا نہ لو عالمین احمر میں جا رہی ہوں۔"وہ غصے سے کہتی مڑی ہی تھی جب سامنے سے سر ایڈیسن آتے دکھائی دیئے۔

"زیادہ تھک تو نہیں گئی آپ"اُن کے محبت بھرے لہجے پہ وہ بس "نہیں بلکل نہیں" کہہ کر رہ گئی۔ساتھ کھڑے عالمین کا بے ساختہ قہقہہ لگانے کو جی چاہا۔

"زیادہ نہیں لیکن تھوڑی بہت ضرور تھک چکی ہوں۔actually انکل یہ ہیلز وغیرہ سے میری کچھ زیادہ بنتی نہیں ہے جو گرز پہن کے بھاگنے والی بندی ہوں تو یہ نزاکتیں میری طبیعت سے میل نہیں کھاتیں۔"اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بھی بول

دیتی عالمین فوراآگے ہوا تھا۔

"اوہ عالمین تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کھڑے کیوں ہو تم لوگ یہاں سامنے چل کر بیٹھو۔ مہمان رخصت ہو جائیں تو گپ شپ لگاتے ہیں" وہ اُس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے کہہ رہے تھے۔

عالمین منہا کا سوچتا انکار کر گیا

"ہمیشہ کی طرح میں آج بھی ضرور رکتا سر مگر منہا بہت تھک گئی ہے۔۔۔میرے خیال سے اب ہمیں چلنا چاہیے" وہ رسانیت سے بولا تھا

"اوکے فائن عالی۔۔۔میری بیٹی کا خیال رکھنا اور اگر پھر بھی یہ تمہیں ڈانٹے تو مجھے بتانا میں اِسکے کان کھینچوں گا۔" وہ اُسے چھیڑ رہے تھے۔

وہ مسکراتے ہوئے مصافحہ کرنے لگا۔

"اگر تم رکھنا چاہ رہے تھے تو رک جاتے۔ میری تو کل صبح کی فلائٹ ہے اور ویسے بھی میں ان سب چیزوں سے سخت اُلجھن محسوس کر رہی ہوں"۔ اُسکے ساتھ چلتے ہوئے وہ بول رہی تھی۔ عالمین گاڑی کی جانب مڑا تو وہ دوسری جانب چل پڑی۔

"اے اے کہاں جارہی ہو گاڑی یہاں ہے" وہ بآواز بلند بولا تھا۔اُسنے مڑے بغیر ہاتھ ہلایا۔

"میں خود آجاؤں گی تم چلے جاؤ"اُس کا رُخ بہتے دریا کی طرف تھا۔

"منہار کو" وہ اُس کی طرف بھاگا چلا آیا۔

سڑک کی دائیں طرف یہ مصنوعی دریا اسوقت اونچی عمارتوں کی روشنیوں کے عکس سے جھلملا رہا تھا۔وہ اُس کے پاس آکہ رکا۔

"منہا۔آپ کو واپس چلنا چاہیے۔اس وقت آپ میری زمہ داری ہیں اور میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا" منہا نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"ویری اسٹرینج۔۔۔میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں آرمی آفیسر ہوں۔۔۔ہر لمحہ اپنی جان ہتھیلی پہ لے کے گھومنے والی۔میرے بارے میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور ویسے بھی اب شو ختم ہو چکا ہے ایکٹنگ ٹائم اوور ہو گیا ہے۔۔ just get back to reality---"

آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے وہ رش سے دور ہوتی جارہی تھی۔نہ چاہتے ہوئے بھی عالمین

اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"اوکے مس۔۔۔اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو کیا میں آپ کو جوائن کر سکتا ہوں"

کوٹ اس نے دائیں کندھے پہ ڈال دیا تھا۔ایک ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں پھنسائے وہ اُسکے ہمقدم ہوا

"مجھے کوئی اعتراض کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔آپ کا علاقہ ہے جہاں جی چاہیں گھومیں" وہ سڑک سے کافی دور آچکے تھے۔ٹریفک کا شور قدرے مدھم ہو چکا تھا عالمین نے ایک نظر ساتھ چلتی منہا پہ ڈالی۔

وہ جوتے اُتار کہ ننگے پاؤں چل رہی تھی۔کرل ہوئے بالوں کا جوڑا بن چکا تھا کلائی میں پہنا بریسلٹ بھی غائب تھا۔

"لگتا ہے آپ کو جیولری میں کوئی انٹریسٹ نہیں ہے۔ویسے مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ لڑکیوں کو تو ان سب چیزوں سے بہت لگاؤ ہوتا ہے" اُسے حیرت ہوئی۔

"آف کورس ہوتا ہے انٹریسٹ۔۔۔لیکن مجھے نہیں ہے۔اپنی فیلڈ میں مجھے اپنی

نسوانیت اور نزاکت ایک طرف رکھ کر کام کرنا ہوتا ہے۔بنا سوئے کئی ہفتے جاگ کہ کام کرنا پڑتا ہے۔گھر سے نکلتی ہوں تو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ واپس بھی آسکون گی یا نہیں۔اپنے پیاروں کے چہرے دوبارہ دیکھنے نصیب بھی ہونگے یا نہیں اپنی اس جذباتیت کو ایک عرصہ پہلے کہیں دفن کر چکی ہوں میں۔"وہ اپنے نہیں گویا کسی اور کے بارے میں بات کر رہی تھی۔اُسکی ٹلخی پہ عالمین نے اُس پہ گہری نظر ڈالی۔

"خود کو دھوکہ دینا شاید مایوسی کی سب سے تلخ ترین صورت ہے لیکن ہم انسان اس سے اکثر گزرتے ہیں۔خود کو دھوکا دیتے ہیں،شاید خود کو مطمئن رکھنے کے لیے۔"

اُسک گہری بات پہ منہا نے اُسے حیرت سے دیکھا۔

اتنا فلسفیانہ لگتا تو نہیں تھا وہ۔

سیاہ آنکھوں میں اداسی کی ایک لہر سی تھی۔عنابی لب سختی سے آپس میں پیوست تھے

"آپکی بات درست ہوسکتی ہے۔ہر انسان زندگی کو ایک الگ نگاہ سے دیکھتا ہے۔۔ایک الگ طریقے سے پرکھتا ہے۔لیکن میرے کیس میں الحمدللہ ایسا کچھ نہیں ہے۔مجھ پر زندگی ہمیشہ بہت مہربان رہی ہے۔یہ سختی میری فطرت ہے۔زمانے کے دین نہیں"

عالمین کچھ خاص متفق نہیں ہوا۔

"اگر ایسا ہوتا تو آپ آج یہاں میری reputation بچانے کے لیے میرا ساتھ دینے کے لیے نہ کھڑی ہوتی" اُس کی بات پہ منہا ایک پل کو لاجواب ہوئی تھی

"مجھے نہیں پتہ میرا یہ عمل کس حد تک صحیح ہے اور یہ کہ بعد میں مجھے اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا یا نہیں"

اب کے عالمین مکمل اُس کی جانب رخ موڑ گیا۔

بہتا دریا اُس کے چوڑے وجود کے پیچھے چھپ سا گیا تھا۔

منہا سر اٹھائے اُسے دیکھے گئی جو اُسی کی طرف متوجہ تھا۔

"کیپٹین منہاز راج میں آپکو پرسنلی تو نہیں جانتا مگر اُس دن جب آپ ہوٹل میں ملیں تھیں۔تب مجھے بہت بچگانہ لگی تھی وقت نے میرا تجزیہ غلط ثابت گیا۔۔۔جس دن آپ نے میری جان بچائی تھی یہ بات آ آپکے علم میں نہ ہو مگر آپ کے جانے کے بعد جب مجھے ساری situation کا پتہ چلا تھا تو میں آپکا شکر گزار ہوا تھا۔میں آپ سے خفا نہیں رہ سکا۔اس فیور کے لیے آپکو کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔اس بات کی

گارنٹی میں آپکو دیتا ہوں آج کے اس فنکشن کی کوئی تصویر میڈیا پہ نہیں آئیگی۔ سر ایڈیسن کو کچھ time میں ساری بات میں خود کلیئر کر دوں گا۔ رہی بزنس فیلوز کی بات تو کون کسی کو یاد رکھتا ہے"

اُس کی بات پہ وہ پر سکون ہوئی تھی۔

اپنے ہاتھ کی دوسری انگلی پہ پہنی انگوٹھی کو بلاارادہ ہی گھماتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"عالمین احمر۔ مجھے اُمید ہے آپ اپنے لفظوں کا پاس رکھیں گے"

تبھی اُس کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی زمین پہ گر پڑی تھی۔

"اوہ" وہ فوراً جھک کے تلاش کرنے لگی۔

عالمین بھی اُس کے سامنے آبیٹھا۔

"یہ میری امی کی نشانی ہے میں اسے کھو نہیں سکتی" وہ روہانسی ہوئی تھی۔

تبھی عالمین کی نگاہ ہلکی روشنی میں چمکتی چاندی کی انگوٹھی پہ پڑی تھی جو منہا کے دائیں طرف قدرے فاصلے پر گری تھی۔

ہاتھ بڑھا کہ انگوٹھی اُٹھاتے وہ بے دھیانی میں اُس کا ہاتھ تھام کے دوسری انگلی میں

انگوٹی پہنا چکا تھا۔

منہا یک ٹک اُسکا چہرہ دیکھے گئ۔

اور عالمین۔۔۔

اپنے اس بے ساختہ عمل پہ وہ زمین میں گڑ گیا تھا۔

ابھی بھی اُسکا ہاتھ تھامے نظریں زمین پہ جمائے وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"I'm sorry"

بنا اُسکا چہرہ دیکھے اُس کا ہاتھ چھوڑتا اٹھ گیا تھا۔

اپنے طرز عمل کی وضاحت کرنا اس پل دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔

"It's okay let's get back"

روشنیوں میں نہایا پانی بنار کے اُن دو، بے حد الگ لوگوں کو ایک ساتھ دیکھے گیا۔

منہار کی نہیں تھی۔

اپنے آپ کو کوستا عالمین بھی اُسکے پیچھے چل دیا۔

oooooooooooooo

دروازہ کھلنے کی آواز پہ اُس نے ہلکے سے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہاج اندر داخل ہو رہا تھا۔اُسے بیڈ پہ موجود نہ پا کر متلاشی نگاہیں پورے کمرے میں دوڑائیں تو وہ اُسے کھڑکی میں کھڑی نظر آئی۔بھاری سرخ لہنگے پہ بھاری زیورات سے آراستہ،ہمیشہ میک اپ سے پاک رہنے والے چہرے کو بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے ایک الگ ہی روپ عطا کر دیا تھا

گردن ترچھی کیے وہ بے تاثر نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بھی اسی کے پاس چلا آیا۔

ءآپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔موسم کی شدت آپکی صحت پہ اثر انداز ہو سکتی ہے"

مخصوص نرم لہجے میں کہتا وہ اُس کے برابر آ کھڑا ہوا۔

سیاہ آسمان کے بلکل وسط میں چودھویں کا چاند اپنی ٹھنڈی میٹھی چاندنی بکھیر رہا تھا۔

اور زمین پہ۔۔۔کھڑکی میں ایک ساتھ کھڑے وہ دو اجنبی۔۔۔جنہیں زندگی نے چند ساعتیں قبل ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کا کر دیا تھا۔

ایک ہفتہ پہلے اُن کا نکاح ہوا تھا اور آج رخصتی۔۔۔اور یہ سب زورین کی مرضی سے ہوا تھا۔اُس نے پوری ذہنی آمادگی کے ساتھ وہاج احمد کو اپنا شریک سفر منتخب کیا تھا

"میں جانتا ہوں اس رشتے میں آپ کی مرضی شامل نہیں تھی مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔آپ کے دل میں۔کیا ہے زورین مجھے کچھ علم نہیں لیکن میرا آپ سے رشتہِ میرے لیے واجب الا حترام ہے۔میں نے ابو کی کو زندگِی میں کبھی نہ نہیں کی لیکن اِس فیصلے کا اختیار اُنہوں نے مجھے دے دیا تھا۔۔۔بنا کوئی احسان جتانے، کوئی امتحان لیے۔۔۔میں نے آپکو اپنی زندگِی میں اس لیے چنا زورین کیوں کہ وقت بدل جاتا ہے، لوگ بھی بدل جاتے ہیں اور اکثر تو دل بھی بدل جاتا ہے" بات کا آغاز اسی نے کیا تھا۔

زورین نے ہٹ کر کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائی اور اُسے دیکھا۔

"مجھے آپ سے نفرت نہیں ہے وہاج احمد۔ کسی بھی رشتے کی پائیداری کی شرط، اعتبار اور خلوص ہوتے ہیں اس لیے میں آپ سے جھوٹ نہیں کہوں گی۔۔۔ آپ مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہے لیکن کسی کو جانے بغیر ہم اُسے پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی سند کیسے دے سکتے ہیں بابا کہتے ہیں آپ جیسا کوئی نہیں۔ وہ آپ کو جانتے ہیں اس لیے آپ پہ یقین رکھتے ہیں

۔شاید آپکو جان لینے کے بعد میں بھی آپ کہ لیے ایسا سوچ سکوں۔ بابا کو یہ بھی لگتا ہے کہ آپ میرا اسہارا بن سکتے ہیں اگرچہ مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں خیر۔۔۔ میرا آپ سے ایک سوال ہے۔۔ کیا آپکو میرے ساتھ پہ کوئی اعتراض نہیں تھا ایک ایسی لڑکی کے ساتھ پر جو آپکو ناپسند کرتی ہے اور یہ بات آپکو معلوم بھی تھی۔" اُسکے چہرے کہ اُتار چڑھاؤ پہ نگاہ رکھے اُس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

اُسی کے سے انداز میں کھڑکی سے پشت ٹکاتے، دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہاج بولا تھا

"آپ کو میری زندگی میں میری مرضی سے شامل کیا گیا ہے مجھے اس فیصلے پہ آج یا کل، کبھی بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔۔۔ آپ سے شادی آن کے ساتھ ساتھ میری رضا

بھی تھی" بنا لگی لپٹی رکھے اُس نے صاف بات کی تھی۔

اُسے یکا یک ہی ڈھیر ساری پشیمانی نے آگھیرا۔

وہ آج تک اس مخلص انسان کو ہمیشہ ہرٹ کرتی رہی تھی۔

اُسکی مسلسل خاموشی پہ وہ دوبارہ گویا ہوا تھا۔

"آپ پہ کوئی زبردستی نہیں ہے زورین۔۔۔رشتے ہمیشہ دوطرفہ رضامندی سے چلتے ہیں۔۔آپ جتنا چاہے وقت لے سکتی ہیں۔۔۔مجھے۔۔۔ہمارے رشتے کو سمجھنے کے لئے۔اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے میں آزاد ہیں آپ۔میں آج یا آئندہ کبھی بھی آپ کو فورس نہیں کروں گا۔آپ کی عزت نفس اور خودداری مجھے ھر چیز سے بڑھ کر ہے۔"اُسکی بات پہ وہ حیران ہوئی تھی۔معلوم نہیں کیوں مگر سارے الفاظ جیسے کہیں کھو سے گئے تھے

" I'm sorry for everything wahaj---

میں نے بہت بار آپ کو ہرٹ کیا۔۔آپکی آنا کو ٹھیس پہنچائی۔" نگاہیں جھکائے اُس نے بڑے آرام سے اعتراف کیا۔

"کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟" دایاں ہاتھ اُسکی جانب بڑھائے وہ اُسے منتظر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"Sure" زورین نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

oooooooooooooooooooooo

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بنا کسی اہٹ، کھٹکے کے اچانک اُس کی آنکھ کھلی تھی چند لمحے خالی الذہنی سے چھت کو گھورتی وہ اپنے بیدار ہونے کی وجہ ڈھونڈھتی رہی۔ معمول کی طرح بے دلی سے سائڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا جب کوئی نرم سی چیز اُسکے ہاتھ سے ٹکرائی۔

وہ گلاب تھا۔ ہلکا نم سرخ گلاب۔

اور اس کی ساری حسیات ایک دم بیدار ہوئی تھیں۔

"اوہ گاڈ" بالوں کو سمیٹ کر اٹھ کہ بیٹھتے اُس نے سامنے صوفے پہ نگاہ کی جہاں کل

رات وہاج سویا تھا۔

خالی پڑا صوفہ وہاج کے بیدار ہو چکنے کا پتہ دے رہا تھا۔

نرم سلیپر اڑستے اُس نے آگے بڑھ کر پردے ہٹا دیے۔وہاج کا کمرہ سیکنڈ فلور پہ تھا اور اس کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی۔اُسے پودوں سے عشقِ تھا اور لان میں اُسنے ڈھیر سارے پھول لگا رہے تھے جو اس وقت اپنے جوبن پر تھے۔ٹھنڈی میٹھی سی مہک اُس کی ناک سے ٹکرائی تو بے اختیار سانس کھینچ کر اُسنے خوشبو کو اندر اُتارا۔تھوڑا آگے جھک کر اُس نے دیکھا معمول کے مطابق وہاج اور بابا لان میں صبح کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔آج بابا کے چہرے کی چمک ہی نرالی تھی وہ مسلسل مسکرا رہے تھے۔اپنی جوانی کا کوئی قصہ سناتے بات بے بات ہنس پڑتے۔آج سے پہلے اُس نے اتنا خوش اُنہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اور آج سے پہلے تو اُس نے وہاج کو بھی اتنی دلچسپی سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کل رات اُنہوں نے بہت سی باتیں کی۔۔۔لایعنی اور بے حساب باتیں۔۔۔ تبھی اُسنے جانا۔۔۔وہاج ویسا ہرگز نہیں تھا جیسا وہ سمجھتی رہی تھی۔

بے حد پر خلوص اور مہربان سا وہاج احمد کتنی توجہ سے اُسکی باتیں سنتا رہا تھا۔پہلی بار اُس نے وہاج کی کمپنی کو انجوائے کیا تھا گو کہ زیادہ تر وہ ہی بولتی رہی تھی۔

اُسے مکمل توجہ سے سنتے وہاج نے ایک پل کے لیے بھی اُسے نہیں ٹوکا۔

اُس کی نگاہیں وہاج پہ جم سی گئیں۔وہ بابا کی بات پہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

نیوی بلیو ٹریک سوٹ میں اُسکی رنگت نمایاں ہو رہی تھی،چوڑے شانے،کشادہ پیشانی۔،وہ وجاہت کا شاہکار تھا،نہ جانے کتنی حسیناؤں کے دل پگھلے ہونگے اُس لیے۔

زورین کو پتہ ہی نہیں چلا نہ جانے کب وہ بھی وہاج کو مسکراتا دیکھ کر مسکرا دی۔

کھڑکی سے ہٹ کر وہ اپنا ڈریس نکال کر واش روم میں گھس گئی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اُن کے پاس لائن میں چلی آئی

ایک پل کو وہ رکی تھی۔

وہاج کو اشارہ کرتی وہ بابا کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ گئی

" None other than my princess"

اُس کے ہاتھ رکھنے کی دیر تھی، بابا بول پڑے تھے۔

"Good morning"

اُن کے کندھے سے لٹک کر اُس نے اُن کا گال چوما۔

دائیں ہاتھ سے اُسکے بال بگاڑتے اُنہوں نے اپنا چہرہ اُس کے چہرے سے مس کیا, پھر اُسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما۔

وہ مسکراتی ہوئی سامنے آ بیٹھی۔

"ماشاءاللہ کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں میرے بچے ایک ساتھ۔اللہ تم دونوں کے رشتے کو ایسے ہی قائم دائم اور زمانے کی نگاہوں سے محفوظ رکھے۔" کچھ پڑھ کے اُن دونوں پہ ہلکی سی پھونک ماری۔

زورین جھینپ گئی جب کہ وہاج شرارت سے مسکرادیا

"انشاءاللہ۔آپکی دعاؤں کا حصار اتنا مضبوط ہے کہ کوئی بری نظر ہم تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ وہ وہاج کی بات پہ مسکرائے۔

"ویسے یہ اچھی بات نہیں ہے بابا۔خود تو آپ لوگوں نے چائے پی لی اور مجھے پوچھا بھی نہیں"

اُس نے منہ پھلایا۔

"ارے وہاج نے کہا آپ سو رہی ہیں تو ہم نے سوچا وقت گزاری کے لیے چائے ہی پیں لیں کیوں وہاج" انھوں نے وہاج سے تائید چاہی۔

" بلکل ابّو جان صحیح کہہ رہے ہیں ان فیکٹ ہم تو آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ مل کر ایک ساتھ ناشتہ کریں۔ڈنر بھی بہت لائٹ سا کیا تھا ابھی تو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں"

شگفتگی سے کہتا وہ آخر میں بے چارا بنا۔

"واقعی۔۔۔تو آج کچھ الگ کرتے ہیں وہاج۔ایسا کرتے ہیں آج ہم دونوں بابا کے لیے ناشتہ بناتے ہیں۔آفٹر آل یہ ہماری زندگی کا پہلا خوش گوار ناشتہ ہے اسے یادگار بناتے ہیں" وہ پرجوش ہوئی تھی۔

"Amazing idea---

اس سے مزیدار بات بھلا کیا ہو گی آئیں پھر چلتے ہیں" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں" زورین نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔

"کچن میں اور کہاں. کیونکہ ناشتہ بنانے کی بہترین جگہ شاید کچن ہی ہے"

مسکراہٹ۔لبوں میں دبائے وہ بولا تھا۔

"اوہ" ماتھے پہ ہلکا سا ہاتھ مارتے وہ کھڑی ہوئی۔ بابا کی وہیل چیئر تھامے وہ وہاج کے

پیچھے اندر آ گئی۔ کچن میں پہنچی تو وہاج سکینہ کو بھیج کر ایپرن پہن رہا تھا۔۔

کیا بنائیں؟" سٹریپ باندھتے ہوئے اُس نے زورین سے پوچھا۔" وہی جو سب کی پسند

ہے" مزے سے کہہ کر ڈائننگ کی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔

"بابا کو تو چیز آملیٹ و پراٹھا پسند ہے۔۔ مجھے پسند ہے فرنچ ٹوسٹ اور آپکو۔۔۔" وہ

سوچ رہا تھا۔

ٹریک سوٹ پہ ایپرین باندھے وہ اپنی طرز کا کچھ لگ رہا تھا زورین دلچسپی سے اُسے

دیکھے گئی۔

"مجھے پتہ ہے آپکو میری پسند۔۔۔۔"

"فل فرائی ود سلائس اینڈ کافی" وہ اس کی بات کاٹ گیا۔زورین کو خوشگوار سی حیرت نے آگھیرا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مسٹر وہاج احمد آج سے پہلے ہم نے کبھی ایک ساتھ ناشتا نہیں کیا پھر آپ کو میری پسند کا کیسے پتہ چلا"

"یہ آپ ہی ہیں مسز وہاج احمد جو ہمیشہ ہم سے بے رخی برتتی آئی ہیں۔بندہ ناچیز کو آپکی پسند نہ پسند بشمول میرے۔۔۔بہت اچھے سے معلوم ہے۔ویسے آپ کس کی اجازت سے وہاں بیٹھ گئی ہیں۔ناشتہ بنانے کا آئیڈیا آپ کا تھا میرا نہیں۔اور جہاں آپ موجود ہیں وہاں کوئی سٹوو فٹ نہیں ہے جو آپ بیٹھے بیٹھے ناشتہ بنالیں گی۔۔۔ come on let's go"

وہ اپنی چوری پکڑی جانے پہ بوکھلا گئی۔

"وہ actually مجھے تو کچھ بنانا نہیں آتا لیکن میں نے اکثر آپ کو بابا کے لیے کچھ نہ کچھ بناتے دیکھا ہے۔مجھے تو صرف کافی بنانی آتی ہے" لب کچلتے اُس نے گویا اعتراف جرم کیا

"ھمم..."پر سوچ نگاہوں سے دیکھتے وہ چند قدم اٹھاتااُس کے نزدیک آیا۔

"گیٹ اپ" وہ اُس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

"سوری" وہ کنفیوز ہو گئی۔وہ کیا چاہ رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہاج نے بازو سے پکڑ کر اُسے اپنے سامنے کھڑا کیا اُس کے کچھ بھی سمجھنے سے پہلے ایپرن اُس کی گردن میں ڈال کر ایک جھٹکے سے اُسے قریب کیا تھا دونوں ہاتھ پشت پہ لے جا کر اسٹر پس باندھتے وہ اُس کے کان میں بولا تھا۔

"زندگی میں کچھ سیکھنے کے لئے تجربہ کرنا ضروری ہے پھر چاہے وہ رشتے ہوں یہ ناشتہ۔۔۔"گہری نظر اُسکی جھکی پلکوں پہ ڈالتا اُسے چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

زورین کے تو حواس ہی گم ہو گئے۔۔دل ایک الگ ہی انداز میں دھڑکا تھا۔لبوں پہ بے ساختہ مسکان در آئی تھی۔

"تو آجائیں مسز وہاج احمد۔شادی کے پہلے ہی دن اپنے شوہر کو اپنے ہاتھ کا مزیدار ناشتہ کروا کہ اس دن کی خوبصورتی دوبالا کر دیں" اپنی ترنگ مت کہہ کر وہ برنر کی جانب بڑھ گیا۔

""""اف۔۔۔آپ کتنا بولتے ہیں وہاج۔ تھنک گاڈ میں نے پہلے آپ کو سنا نہیں ورنہ اب تک تو میرے کان پک چکے ہوتے" فرج سے مطلوبہ چیز نکالتے وہ وہاج کو کوسنا شروع کر چکی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ اُن کی ولیمے کی تقریب تھی

شہر کی ایلیٹ مارکی میں سٹیج پہ آف وائٹ میکسی میں وہ اگر شہزادی لگ رہی تھی تو بلیو ڈنر سوٹ میں بلیو ٹائی لگائے وہاج احمد کی شان بھی شہزادوں سے کم نہیں تھی۔

وہاں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں ان کے لیے ستائش تھی گو کہ اس تقریب میں تمام مہمان وہاج اور گلزار حبیب کے ہی تھے مگر ایک مہمان زورین گلزار حبیب کا بھی تھا۔

ارحم لاشاری۔۔۔

جواس وقت کونے کی ایک میز پہ بیٹھا اپنے فیس بک پیج پہ active تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے فون ٹیبل پہ رکھا دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے باندھ کر آگے پیچھے گردن کو حرکتِ دیتے جیسے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی تھی۔ سیدھا ہو کے بیٹھتے اُس نے پورے ہال پہ نگاہ دوڑائی۔

ہال کے بلکل وسط میں وہاج اپنے دوستوں کے درمیان گھرا کھڑا تھا۔ ارحم کی اُس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ دوسری نظر اُس نے سٹیج پہ بے حد بیزار شکل بنائے بیٹھی زورین پہ ڈالی تھی۔ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے وہ ہر آنے والے کو شکریہ کہہ رہی تھی۔

اُسے یہاں آئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا مگر ابھی تک وہ زورین سے نہیں ملا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ سٹیج کی جانب بڑھا۔ اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر زورین کی آنکھیں بے اختیار چمک اٹھی تھیں۔ معلوم نہیں کیوں مگر وہ زورین کو بہت اپنا سا لگا تھا۔ ایک اچھا ہمراز۔۔ ایک اچھا دوست۔

"Looking georgeous"

وہ مسکرا کر کہتا ساتھ والی صوفے پہ بیٹھا

۔

"تھینک گاڈ ارحم تم آ گئے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر مجھے اس وقت کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ دو گھنٹے سے ایک ہی جگہ ایک ہی پوز میں بیٹھے رسمی مسکراہٹ نبھاتے تھک گئی ہوں یار۔ تمہیں دیکھ کہ اصلی والی مسکراہٹ آ گئی ہے چہرے پہ" وہ نہ بھی کہتی تو بھی ارحم جانتا تھا وہ اُسے دیکھ کہ واقعی بہت خوشی ہوئی ہے۔ وہ ان لفظوں کے پیچھے چھپے خلوص کو سمجھتا تھا۔

"شادی بہت بہت مبارک ہو آپکو۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ اور یہ کیسی اجنبیوں والی بات کر دی آپ نے۔ آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں اب ایسے بھی حالات نہیں۔ ویسے آپ کے مسٹر ہینڈ سم کافی زیادہ ہینڈ سم لگ رہے ہیں نہیں؟؟"

اُسکے شرارتی انداز پہ وہ ہنسی۔

"مسٹر ہینڈ سم کا تو پتہ نہیں لیکن آپ بہت ڈیشنگ لگ رہے ہیں آج۔ سوری ٹو سے

لیکن یہاں آپکا کوئی فین کلب نہیں ہے آج آپ کی یہ تیاری تو مجھے ضائع ہوتی نظر آ رہی ہے"اُسی کے انداز میں وہ اُسے چھیڑ گئی جس پہ اُسنے مصنوعی اہ بھری۔

"یہ تو آپ کی غلط فہمی ہے مس زورین گلزار حبیب ایک دنیا فدا ہے ہماری لکس پہ۔۔جہاں جاتے ہیں اپنی مہک چھوڑ جاتے ہیں۔آج بھی جانے کتنی حسیناؤں کے دِل پہ پیر رکھ کہ یہاں پہنچے ہیں۔"

"بالکل۔وہ حسینائیں جنہوں نے ایک کے بعد دوسری نظر بھی نہیں ڈالی ہو گی آپ پہ۔۔۔بہر حال یہ بتاؤ منہا اور آنٹی کو کیوں نہیں لائے؟"وہ استفسار کر رہی تھی۔

"آپ خوش ہیں زورین"اُس کی بات کا جواب دیے بناوہ سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا

زورین کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔

"ایم کنفیوزڈ۔۔۔شاید کچھ وقت کے بعد میں تمہارے سوال کا جواب دے سکوں"

"مجھے امید ہے آپ اپنے رشتوں کو سنبھالنا اور قدر کرنا جانتی ہیں"نرمی سے کہتا وہ جیسے اُس کے دل کو تسلی دے گیا۔

"تمہاری دعائیں قبول ہوتی ہیں ارحم۔تم مرے لیے دعا کرو گے ناں؟"

بڑی آس سے اُس نے پوچھا تھا۔

بس ایک لمحے کے لیے ارحم نے ان ستارہ آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"میں اپنی زندگی کے سب سے قیمتی انسان کے لیے ضرور دعا کروں گا" بنا کچھ کہے پلکوں کے خم سے تسلی دیتا وہ سٹیج سے اتر گیا۔

آہستہ قدموں سے ہال کے آخری کونے تک پہنچتے ارحم کے گردونواح میں موجود تمام نفوس جیسے کہیں غائب ہو گئے تھے۔

بارسلونا کیتھیڈرل کے سنگی بینچ پہ بس وہ اور زورین رہ گئے۔

فضا میں خنکی کا ہلکا سا تاثر تھا۔ پچھلے کچھ دنوں کی مسلسل دھوپ نے فضا میں تپش گھول دی تھی۔

"آپ کے خیال میں انسان کو اپنا لائف پارٹنر چوز کرنے کے لیے دوسرے انسان میں کیا چیز دیکھنی چاہیے؟" پاپ کارن کھاتے ہوئے زورین نے بے توجہی سے سوال کیا تھا۔

"میرے ذاتی تجزیے کے مطابق انساں کو اپنا لائف پارٹنر چوز کرنے سے پہلے اپنے

آپ کو اچھی طرح جان لینا چاہیے۔اپنی عادات اور پسند ناپسند کی مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔یہ اس لیے ضروری ہے کہ جب آپ خود کو جنتے ہونگے تو یہ بھی جان سکیں گے کے آپ کے مزاج کے مطابق کیسا انسان آپکے ساتھ چل سکتا ہے۔ہمارے مزاج کو برداشت کر سکتا ہے یا نہیں ان فیکٹ ہم اُسے برداشت کر سکتے ہیں یا نہیں۔اپنی اور اُس کی شخصیت کے تمام رنگوں سے واقفیت ہونے کے بعد ہی آپ کسی کو اپنا لائف پارٹنر چوز کر سکتے ہیں" وہ کافی کے سپ لیتا اُسکی بات کا تفصیلی جواب دے رہا تھا۔

"لیکن اگر زندگی آپکو اُس شخص کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں دے۔۔۔یا آپ نے خود کبھی اُس شخص میں دلچسپی نہ لی ہو"اُس نے دوبارہ سوال کیا۔

"اگر کوئی شخص آج تک آپکو متوجہ نہیں کر سکا تو میرے خیال میں اُس سے شادی کی سنگین غلطی کبھی نہیں کرنی چاہیے۔کیوں کہ شادی کے لیے مقابل کو اتنی اہمیت کا حامل تو ضرور ہونا چاہیے کہ آپنے کم از کم کبھی اسے سوچا ہو۔جو شخص پہلے ہمیں قابل توجہ بھی نہ لگے۔آپ بعد میں اُس سے کوئی رشتہ کیسے بنا سکتے ہیں"اُس کی بات پہ زورین لاجواب ہو گئی۔آس پاس سے گزرتے ہر نسل اور ہر مذہب کے لوگوں سے نظر ہٹا کر ارحم نے اسے دکھا۔

"کیا آپ بھی ایسی ہی کسی مشکل سے گزر رہی ہیں؟"

براہ راست سوال پہ زورین گہری سانس بھر کہ رہ گئی۔

"ہاں" یک لفظی جواب پہ ارحم نے سوالیہ اسے دیکھا۔ وہ اُسکی نظروں کا مفہوم سمجھ کے بولی تھی۔

"یو نو ارحم میرے پاس صرف ایک رشتہ ہے جو میری کل کائنات ہے۔ میرے بابا۔۔۔ انہوں نے مجھے زندگی کے ہر فیز پہ پروٹکٹ کیا۔ ماں، بہن، بھائی، دوست۔۔۔ کبھی کسی رشتے کی کمی محسوس نہ ہونے دی ہمیشہ میری مرضی کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے لئے ہر فیصلہ کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے لیے اُن کا ہر فیصلہ بہترین ثابت ھوا۔ میں ان پہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی ہوں۔ اُن کے کسی فیصلے پہ مجھے کبھی اعتراض نہیں ہوا مگر اب۔۔۔" اُس نے بے بسی سے لب کچلے۔

"بابا چاہتے ہیں میں وہاج سے شادی کر لوں۔ اُنہیں لگتا ہے وہ مجھ سے بلکل ویسی ہی محبت کرے گا جیسے وہ کرتے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پہ میرا ساتھ دے گا۔ میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں مگر بابا کو لگتا ہے وہ مجھے اُن کی طرح پروٹکٹ کرے گا۔ وہ میرے لیے پریشان ہوتے ہیں اور اُنہیں پریشان دیکھنا مرے لیے بہت مشکل ہے لیکن میں

زہر کا یہ پیالہ نہیں پی سکتی۔وہاج مجھے بلکل اچھا نہیں لگتا کم از کم ایک لائف پارٹنر کے طور پہ میرا دل اُسے قبول نہیں کر پارہا"

"زہر ہی کیوں۔۔۔شہد بھی تو ہو سکتا ہے۔آپ وہاج کو جانتی نہیں ہیں لیکن آپ کے بابا آپ کو بھی جانتے ہیں اور وہاج کو بھی۔وہ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ وہاج کی عادات آپکی عادات سے ملتی ہیں یا نہیں۔حقیقت آپکی سوچوں کے برعکس بھی تو ہو سکتی ہے۔کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا؟"

"نہیں" بنا توقف کے اُس نے کہا تھا۔

"یونو واٹ ارحم۔۔۔میں بابا کی علاوہ کسی پہ dependent نہیں ہونا چاہتی۔انسانی سہارے بہت کمزور،بہت بودے ہوتے ہیں۔ایک لمحے میں پرایا کر دیتے ہیں۔جن آنکھوں میں ہمیشہ اپنے لیے محبت دیکھی ہواُنہیں اپنے لیے خالی ہوتا دیکھنا دنیا کا سب سے ازیت ناک لمحہ ہوتا ہے"اُسکی آواز بھیگ گئی۔

"آپ محبت ہو جانے سے ڈرتی ہیں زورین؟آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے محبت ہمیشہ درد ناک اور تکلیف دہ ہی ہو سکتی ہے؟؟محبت ایک مہکتے ہوئے پھول کی طرح بھی تو ہوتی ہے جو زندگی میں خوشبو بھر دیتا ہے۔آپ کو کیوں لگتا ہے کہ محبت غلط ہوتی ہے"وہ

اُس کے ناول کے ڈائلاگ دوہرا رہا تھا۔

"محبت غلط نہیں ہوتی ارحم۔ یہ ہمیشہ غلط انسان سے ہو جاتی ہے غلط موقع پر ہو جاتی ہے اور زندگی۔۔۔ پھر انہی غلطیوں کا کفارہ ادا کرتے گزر جاتی ہے" ہاتھ کی پشت سے اُس نے گال رگڑا۔

"محبت نفع یا نقصاں دیکھ کر تو نہیں ہوتی، محبت صحیح یا غلط انسان دیکھ کر بھی نہیں ہوتی، یہ تو اُسی سے ہوتی ہے جسے اللہ ہمارے دل میں ڈالنا چاہتا ہے، یہ تو حیات کے ایک خوبصورت رنگ کی طرح آپ کے گرد پھیل جاتی ہے اور جب یہ آپ کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے نا تب آپ پہ اپنا رنگ، اپنی ذات کا رنگ آشکار ہوتا ہے اور نیت صاف ہو تو خدا بھی ساتھ دیتا ہے۔ آپ اپنے بابا پہ بھروسہ کر سکتی ہیں تو اس پہ بھروسہ کیوں نہیں کر سکتیں جس کی محبت کی وسعت ماپی ہی نہیں جا سکتی۔ ہم اپنا فیوچر predict نہیں کر سکتے لیکن اپنا حال تو بنا سکتے ہیں نا۔ اللہ ہمیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔ وہ ہمارے گرنے سے پہلے سنبھالنے کے وسیلے بنا دیتا ہے" اس کے متاثر کن لہجے نے زورین کے سب سوالوں کا جواب دے دیا تھا۔ کیتھیڈرل کے سرمئی پتھر خاموشی سے اس نرم شخص کی فصاحت سن رہے تھے۔

وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔ ٹھنڈی ہوئی کافی کا ایک بڑا سا گھونٹ لے کر ختم کیا۔

زورین نے شکر گذاری سے اُسے دیکھا۔ اس شخص کے الفاظ نے جیسے سوچ کا ایک نیا در کھول دیا تھا اُس پہ۔ اس نہج پہ اُس نے کیوں نہیں سوچا۔ اللہ اُس کی زندگی میں کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دیگا۔۔۔ وہ سب آسان کر دے گا۔۔۔ کتنا سکون آور تھا یہ احساس۔۔۔ دل و دماغ جیسے ایک دم ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔

ارحم نے نرم مسکراہٹ سے اُسکی سرخ آنکھوں کا مفہوم پڑھا۔

رونے سے ہلکی گلابی ہوتی آنکھیں، حزن کا ایک دریا سمیٹے ہوئے تھیں۔ مسکراتے ہوئے اُسکی روئی روئی گلابی آنکھیں بھی مسکرائیں تھیں اور ارحم لاشاری کو زندگی سے پہلی بار اپنی بصارت کے قائم رہ جانے کا شکوہ ہوا۔۔۔

کاش۔۔ اس لمحے وہ زورین کی آنکھیں نہ دیکھ پاتا۔

۔ کیتھیڈرل کی سنگی دیواروں نے بڑے تاسف سے اُس کے گرد پھیلتے محبت کے رنگ کو دیکھا تھا جو بڑی تیزی سے ارحم لاشاری کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

ہاں اُسے بھی غلط وقت پہ غلط انسان سے صحیح محبت ہو گئی تھی وہی محبت جو نور کی طرح انسان کو روشن کر دیتی تھی۔ارحم لاشاری کو بھی پر نور کر گئی تھی۔

سست قدم اُٹھاتا وہ ہال سے باہر نکل گیا۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

oooooooooooooo

"کہیں جارہی ہیں آپ؟"وہ اپنی چابیاں اٹھانے اندر آیا تھا جب اُسے ڈریسنگ کے سامنے دیکھا۔

"ہاں ریاض صاحب کو فائنل سکرپٹ دینا ہے بس وہی جارہی ہوں"فیروزی شارٹ فراک کے ساتھ بلیک ٹراؤزر وہ چہرے کے گرد لپیٹے حجاب کو سیٹ کر رہی تھی۔

"آجائیں میں ڈرپ کر دیتا ہوں"وہ ایک لمحے کو رکا تھا۔

"نو تھینکس ڈرائیور میرا ویٹ کر رہا ہے میں چلی جاؤں گی۔" اُس نے سہولت سے منع کر دیا۔

"M waiting"

وہ اطلاع دیتا باہر نکل گیا۔

بیگ اٹھا کر وہ اُس کے پیچھے باہر نکلی۔

""آپ اچھا نہیں کر رہے یہ" گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ بولی تھی۔ بیک ویو میں دیکھ کے گاڑی ریورس کرتے وہاج نے حیران ہو کر اُس کی بات سنی۔ "کیا۔۔۔ کس چیز کی بات کر رہی ہیں آپ سوری میں سمجھا نہیں"

"آپ جانتے ہیں میں کس بارے میں بات کر رہی ہوں" وہ ہنوز کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ رُخ قدرے پھیر رکھا تھا۔ وہاج سوچ میں پڑ گیا۔ "مجھے پتہ ہوتا تو میں آپ سے پوچھنے کی بجائے آپ کو ایکسپلین کر رہا ہوتا"

وہ تپ کر اُس کی جانب مڑی۔

"یہی جو آپ اس وقت کر رہے ہیں۔ میرا خیال رکھنا، مجھے اہمیت دینا، سونے سے پہلے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرے لیے کافی بنانا، میری لایعنی باتوں کو توجہ سے سننا میرے لیے اپنے کام چھوڑ دینا" وہ بے بسی سے اُسے دیکھ کہ رہ گئی۔

"اوہ۔ یہ تو میں اپنے رشتے میں رنگ بھرنے کی چھوٹی سی کوشش کر رہا ھوں۔ ہماری دوستی کے رشتے کو مزید مضبوط کرنے کے لیے۔ دوست تو ایسے ہی ہوتے ہیں نا۔۔ ساتھ دینے والے، بات سننے والے، آپ کے لیے اپنے کام چھوڑ دینے والے،، اس میں اتنا اپ سیٹ ہونے کی کیا بات ہے" اُس کا سکون قابل دید تھا۔

وہ جھنجھلا گئی۔

"وہاج آپ مجھے اپنا عادی کر رہے ہیں اور یہ مجھے اپ سیٹ کر رہا ہے"

"تو کیا آپ کو یہ سب اچھا نہیں لگتا" اُس نے براہِ راست اسے دیکھا۔ وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

"مجھے اس لیے اچھا نہیں لگتا وہاج کہ۔۔۔۔" لمحہ بھر کو تھمی "میں پریٹند نہیں کر سکتی وہاج۔۔ مجھے۔۔۔ مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔ آپ کے خلوص کا جواب میں اتنے خلوص سے نہیں دے سکتی۔ بے زار ہو جاتی ہوں میں اور اس بات کا مجھے افسوس ہوتا

ہے" وہ بے چارگی سے سب کہہ گئی۔

"محبت نہیں ہے تو کیا ہوا۔ محبت ہو تو سکتی ہے" اُس کے سکون میں ذرہ بھر فرق نہیں پڑا تھا۔

زورین نے ماتھا پیٹ لیا۔

"او کے لیو دس یار۔۔۔ اگر تمہیں یہ سب آپ سیٹ کر رہا ہے تو تم مت کرو کچھ بھی میرے لیے۔ میرے خلوص کا جواب خلوص سے مت دو۔ میں نے تو تم سے کچھ بھی ڈیمانڈ نہیں کیا۔ لیکن مجھے اچھا لگتا ہے سو مجھے تو کرنے دو پلیز۔۔ تمھیں نہیں ہے محبت۔۔۔ مجھے تو ہے" زورین کو لگا اُسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"Excuse me"

تیکھے چتون سے اُسے گھورا۔

"آئی مین مجھے اپنی دوست سے محبت ہے اور اپنا دوستی کا یہ رشتہِ مجھے عزیز بھی بہت ہے اور اس لیے آپ بھی زیادہ مت سوچیں۔ یہ بتائیں جانا کس طرف ہے" وہ عام سے لہجے میں بولا تو زورین نے بھی بات بدل تھی۔ کچھ لمحوں بعد وہ اپنی منزل پہ تھے۔

"تھینک یو۔۔۔میں ڈرائیور کے ساتھ آجاؤں گی آپ انتظار مت کیجیے گا۔"

"او کے کتنا ٹائم لگے گا؟"اُس کے پوچھنے پہ اُس نے کندھے اچکائے۔

"نو آئیڈیا۔۔۔15 منٹ بھی لگ سکتے ہیں اور 3 گھنٹے بھی"

"او کے۔اللہ حافظ۔۔۔اپنا خیال رکھیے گا"اُن الفاظ میں کچھ خاص تھا نہ لہجے میں مگر بیگ سنبھال کہ اُترتی زورین کا ہاتھ دروازے پہ ہی رہ گیا۔

مڑ کے اُس کا چہرہ دیکھا تھا۔وہ جگمگاتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔وہ نظر انداز کر کے اتر گئی۔ریاض صاحب کو فائنل سکرپٹ دے کر نئی فلم کے چند پوائنٹس ڈسکس کرتے اُسے پتہ ہی نہیں چلا کب تین گھنٹے گزر گئے۔آفس سے باہر نکل کر اُسنے فون دیکھا۔ وہاج کا میسیج تھا۔

"آپ جتنا چاہیں وقت لے سکتی ہیں زورین۔میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں"کچھ سمجھتے کچھ نہ سمجھتے اُسنے وہاج کو کال کی۔

"کیا مطلب ہے اس میسیج کا"لفٹ کا بٹن دبا کر وہ لفٹ اُوپر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندہ ناچیز پچھلے تین گھنٹے سے آپ کے اِنتظار میں دن کو

تارے گن رہا ہے" وہاج کی شوخ آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونکی۔ لفٹ آچکی تھی وہ اندر داخل ہوئی۔

" Don't tell me۔

آپ ابھی تک باہر کھڑے ہیں۔ وہاج میں نے آپ سے کہا بھی تھا مجھے وقت لگ سکتا ہے میں ڈرائیور کو بلوا لوں گی" وہ پریشان ہوتی تیز قدموں سے لفٹ سے باہر نکلی۔

"آپ فری ہیں تو آجائیں" اُس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

بیٹھتے ہی اُس نے اپنا بیگ کھینچ کر اُسے دے مارا۔

"یہ کیا طریقہ ہے وہاج۔ آپ کم از کم مجھے بتا سکتے تھے میں جلدی پیک اپ کرنے کی کوشش کرتی" وہ اپنا کندھا سہلاتا تاسف سے اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

اُسکی مسلسل خاموشی پہ زورین نے اُسے دیکھا۔

"سوری" اُس نے بے چاری سی شکل بنالی۔

ایک گہری نظر اُس کے چہرے پر ڈال کر وہاج نے گاڑی سٹارٹ کی۔

"میں نے آپ کو تنہا چھوڑ دینے کے لیے اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا زورین۔ میں

ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا" گاڑی کی خاموش فضا میں اُس کی گمبھیر آواز گونجی تو اُسے دیکھتی زورین بے ساختہ نظر چرا گئی۔ ہاتھ میں تھامے بیگ پہ گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

"آپ کا فیورٹ ریسٹورنٹ یہاں پاس میں ہی ہے لنچ پہ چلیں؟" اپنی بات کا اثر زائل کرتے ہوئے وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا تو زورین نے سر ہلا دیا۔ باقی کا سفر خاموشي سے کٹا۔

"ایسی شکل تو مت بنائیں یار۔ کوئی دنیا سے انوکھی بات تو نہیں کہی میں نے۔ انسانوں والی بات ہی کہی ہے اور انسان اسے ہی کہی ہے" اُس کے لیے چیئر نکال کر وہ میز کے دوسری طرف آ بیٹھا۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا" وہ خجالت سے یہاں وہاں دیکھنے لگی۔

"I know your choice so please let me order"

وہ ویٹر کو آرڈر نوٹ کروانے لگا۔

زورین نے یونہی پل بھر کو اُسے دیکھا تھا اور نظر گویا ٹھہر گئی تھی۔ کافی براؤن شرٹ

کے ساتھ بلیک پینٹ اور ہلکی بڑھی ہوئی بھوری داڑھی۔۔۔اُس کے سفید چہرے پہ بے حد جچتی تھی۔

اور ہاں۔۔اس کے دائیں گال پہ آنکھ سے کچھ نیچے موجود تل۔۔۔وہ بری فرصت سے اُسے دیکھ رہی تھی

ویٹر سے فری ہو کے وہاج نے اُسے دیکھا جو گردوپیش سے بے نیاز اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ہیلو" اُسکی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجا کے متوجہ کیا۔احساس ہوتے ہی وہ فوراً نظر ہٹ گئی۔

"اہم" اُس کے سرخ پڑتے چہرے پہ وہاج کی نظر ٹک گئی۔چند لمحے اُس کی نظروں سے فرار حاصل کرنے کی ناکام کوشش کے بعد اُس نے چڑ کے اُسے دیکھا جو مسکراہٹ لبوں میں دبائے گہری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ویسے جو کچھ دیر پہلے آپ کو تھا جب ارد گرد سے بے نیاز ہو کے آپ مجھے دیکھ رہی تھیں "میز پہ کہنی ٹکائے چہرہ ہاتھ پہ رکھے وہ اُسے محظوظ کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔میں بس کوئی بات سوچ رہی تھی آپ زیادہ خوش فہمیاں نہ پالیں اچھا"

"اچھا۔تو کیا سوچ رہی ہیں آپ۔کچھ ہمیں بھی پتہ چلے خوش فہمیاں نہ پالنے کی ریزن۔"

"میں۔۔وہ۔۔۔اپنے ناول کے بارے میں سوچ رہی تھی" بروقت جواب سوجھا۔

"آل رائٹ۔"وہ جیسے قائل ہوا۔"ناولز اچھے لکھتی ہیں آپ۔آئیڈیا کمال ہوتے ہیں آپ کے۔ایک دو ناولز میں نے بھی پڑھے ہیں۔آپ کے برعکس کافی maturity ہے آپ کی تحریروں میں"وہ تعریف کرتے بھی اُسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

زورین کو اُس کے تبصرے نیا لطف دیا۔

"اچھا تو میں آپکو میچیور نہیں لگتی تو پھر کیا لگتی ہوں؟"گلاس اٹھا کر لبوں سے لگاتے پوچھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ میچیور سے زیادہ سنسیر ہیں۔ میچیور لوگ دھوکا دے جاتے ہیں مگر سنسیئر لوگ۔۔۔دھوکا کھا جاتے ہیں" وہ بڑی آسانی سے بیان دے گیا۔

"ایکسکیوزمی۔کیا سمجھوں میں اسے؟" ابرو اچکا کے استفسار کیا۔

وہاج کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"آپ اسے بس میری ناقص رائے سمجھ لیں۔ بائی داوے آپ شاعری بھی تو کرتی ہیں اور کچھ نہیں تو اپنا کوئی کلام ہی سنا دیں" وہ ریلیکس بیٹھا مکمل اُسے سننے کے موڈ میں تھا۔

"ابھی۔۔۔اس وقت۔۔۔۔بلکل دل نہیں چاہ رہا یار" اُس نے فوراً انکار کیا جس پہ وہاج حیران رہ گیا۔

"ارے۔۔۔آپ اپنا کلام سنانے سے انکار کر رہی ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے شاعر حضرات تو لوگوں کو پکڑ پکڑ کے اپنا کلام سناتے ہیں۔ چاہے اگلا بندہ مر ہی کیوں نہ رہا ہو۔۔۔کلام سنائے بغیر تو وہ کسی کو مرنے بھی نہیں دیتے۔ایک آپ ہیں جو منع کر رہی ہیں اور ایک ہم ہیں آپ کے کلام سے محظوظ ہونا چاہ رہے ہیں اور آپ ہمیں ترسا رہی ہیں۔ آفٹر آل اپنی ورلڈ فیمس وائف کے کلام کے پہلے حقدار تو ہم ہوئے نا"

"اُف وہاج آپ کتنا بولتے ہیں۔وکیلوں کو اور کوئی کام نہیں ہوتا ہے کیا۔۔کمرہ عدالت میں تو آپ جج کو بھی کچھ بولنے نہیں دیتے ہونگے۔آپ کی ذات کا یہ رنگ کیسے اوجھل رہ گیا مجھ سے" وہ اس کی بات پہ کچھ سوچنے کی اداکاری کرنے لگا۔

"ان فیکٹ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے آپ کے جراثیم مجھ میں بھی منتقل ہو گئے ہیں۔ابو کی کی باقی ذہانت تو آپ نے لے لی لیکن اُن کی وکالت میں نے لے لی" وہ جیسے اپنا کوئی کارنامہ بتا رہا تھا۔

" Seriously wahaj you are quite funny"

وہ اُسی طرح ہنس رہی تھی۔

"آپکو ایک شعر سناتا ہوں" جوش سے وہ آگے ٹیبل پہ جھکا۔

"جی سنائیں" اسی کے انداز میں وہ بولی تھی۔

کاش تو میری آنکھ کا پانی بن جائے دوست

میں کبھی رو بھی نہ سکوں تجھے کھونے کی ڈر سے

اُسکے چہرے کے ایک ایک نقشِ کو بولتی نظروں سے دیکھتے وہ دھیمے سے بولا تھا۔ان آنکھوں کی تپش زورین گلزار حبیب کو ناقابل برداشت لگی تھی۔اُن آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد تھا۔اُن آنکھوں میں وہ سب داستانیں تھیں جنھیں پڑھنے سے وہ ڈرتی تھی۔

کچھ کہہ کر وہ ان آنکھوں کی چمک ماند نہیں کرسکتی تھی۔

"اچھا ہے۔۔۔بہت اچھا ہے۔۔۔پتہ نہیں یہ ویٹر کہاں رہ گیا" خرد کا دامن تھامتے وہ نظریں چرا گئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

oooooooooooooooooo

"کاش تو میری آنکھ کا پانی بن جائے دوست۔

میں کبھی رو بھی نہ سکوں تجھے کھونے کے ڈر سے"

پچھلے 24 گھنٹوں میں وہ اس شعر کو 2400 دفعہ سوچ چکی تھی۔ابھی بھی پودوں کو

پانی دیتے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں لیکن اُسے اچھا لگ رہا تھا۔ وہاج کو سوچنا، اس کی باتوں کو سوچنا۔۔اچھا لگتا تھا دل کو یہ سب

وہ اپنے خیالوں میں گم تھی جب بابا جان کے کھنکارنے پہ چونکی۔

"ارے۔۔۔۔ بابا جان۔۔۔آپ کب آئے" وہ چونک کہ اُن کی جانب بڑھی۔

"ابھی جب آپ پودوں کو پانی دے رہی تھیں بلکہ پودوں کو نہیں صرف اسی ایک پودے کو کیونکہ باقی پودے تو آپ کی راہ دیکھتے دیکھتے سوکھ رہے ہیں" اُنہوں نے اس کی غائب دماغی کو نشانہ بنایا تو زورین نے بھی توجہ کی۔ واقعی وہ پچھلے 20 منٹ سے ایک ہی پودے کو پانی دیے جا رہی تھی اور پانی اب کیاری سے نکل کر سارے لان میں بہہ رہا تھا۔

"سوری بابا" فوراً پائپ بند کیا۔

"اٹس اوکے۔۔۔واک پہ چلیں؟"

"آف کورس" وہ مالی کو باقی پودوں کو پانی دینے کا کہتی اُنکی وہیل چیئر تھامے باہر آ گئی۔۔اپنی مخصوص جگہ پہنچ کر اُس نے بابا کی وہیل چیئر کھڑی کی اور خود اُن کے پاس

نیچے گھاس پہ آبیٹھی۔

"میری بیٹی خوش ہے نا؟"اُنھوں نے محبت سے اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا

"Yes"

اُس کے اعتراف نے گویا اُن میں روح پھونک دی۔

"میں جانتا تھا۔وہاج کو جتنی اچھی طرح میں جانتا ہوں شاید وہ خود بھی نہیں جانتا ہوگا۔ وہ رشتے نبھانے والا، قدر کرنے والا لڑکا ہے۔تمہارے لئے ہمیشہ وہ بہت کنسرن رہا ہے۔اُس نے ہمیشہ تمہیں اون کیا ہے"اپنے گھٹنے پہ رکھے اُس کے سر میں ہاتھ پھیرتے وہ جیسے اُسے وہاج کی اچھائی کا یقین دلا رہے تھے۔

وہ سامنے ڈوبتے سورج کو دیکھے گئی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔بابا وہ واقعی ایک بہت اچھا انسان ہے۔میں نے خواہ مخواہ اُسے ہمیشہ اتنا غلط سمجھا۔ساری عمر اُس سے بیر باندھے رکھا

He is a Nice person"وہ بڑے آرام سے اپنی غلطیاں مان گئی۔

"نائس تو ہوگا ہی۔جو شخص میری بیٹی کی سوچوں پہ اس بری طرح حاوی ہے وہ صرف

www.neweramagazine.com

نائس ہی نہیں outstanding ہوگا بھائی" اُن کی بات پہ وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسی دی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بابا۔ضروری تو نہیں کہ اگر میں سوچوں میں گم ہوں تو اسی کے بارے میں سوچ رہی ہوں گی۔اور بھی کام ہیں مجھے۔ایک دو ڈرامے چل رہے ہیں میرے۔۔۔ساتھ میں مشاعرہ کی date بھی آنے والی ہے۔کچھ آفرز ہیں اُن پہ غور کر رہی ہوں آج کل۔۔۔اب یہی ایک کام تو نہیں رہ گیا نہ دنیا میں" وہ خفگی سے بولی تھی۔

آخر ہر کوئی اسی کی چوری کیوں پکڑ لیتا ہے۔

بابا جان نے محبت سے اُسکی تھوڑی تھام کہ چہرہ اُوپر اُٹھایا۔

"آپ کتنی بھی بڑی ہو جائیں زینی۔۔۔میرے لیے ہمیشہ وہی چھوٹی سی زینی رہیں گی جس کی سوچوں کا عکس میں اُس کے چہرے سے پڑھ لیا کرتا تھا۔اور اگر آپ اسے سوچ بھی رہی ہیں تو اس میں کوئی برائی تو نہیں ہے۔وہ ت

آپ کا شوہر ہے۔آپ کا اُسے سوچنا بنتا بھی ہے" وہ شرارت سے مسکرا رہے تھے

"ایسا نہیں ہے بابا میں ایک پریکٹیکل لڑکی ہوں ہر کام سوچ سمجھ کر کرنے والی" وہ جیسے برامان کر بولی۔

"لیکن محبت تو سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی۔ یہ تو وہ جنگ ہے جہاں بڑے سے بڑا پلانر بھی شکست کھا جاتا ہے" اُنہیں نے گفتگو کو ہلکا پھلکا رنگ دینے کی کوشش کی۔

وہ جواب دیے بنا ہاتھ میں پہنی انگوٹھی گھماتی رہی۔

"زینی؟" اُن کے پکارنے پہ وہ چونکی۔

"جی بابا" فوراً متوجہ ہوئی۔

"محبت ہو گئی ہے میری بیٹی کو؟" اُن کے سوال پہ وہ نظریں جھکا گئی۔

"میں خود بھی نہیں جانتی بابا۔ تجربہ نہیں ہے نہ اس چیز کا اس لیے سمجھ نہیں پا رہی ہوں کہ ہو کیا رہا ہے۔ یو نو واٹ بابا۔۔۔۔ پہلی بار میں اپنے دل کو مطمئن نہیں کر پا رہی ہوں۔ دل کو جیسے کوئی تسلی راس ہی نہیں آ رہی۔ اگر کسی کو سوچنا، ساتھ ہوتے ہوئے اُسے دیکھتے رہنا اور ساتھ نہ ہونے پہ اپنے گرد اُس کی خوشبو محسوس کرنا، اُسکی باتوں کو یاد کرنا، اُس کی پسند ناپسند میں ڈھل جانا، ایسا بننے کی خواہش کرنا جو اُسے اچھا

لگے۔۔۔اگر یہ محبت ہے تو۔۔۔۔مجھے وہاج سے محبت ہے"اُس کا لہجہ نہ جانے کیوں اُنہیں تھکن سے چور لگا تھا

"تم نے وہاج کو بتایا؟"اُنہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔میں ابھی خود کو آزمانا چاہتی ہوں۔۔۔اپنے جذبات کو پرکھنا چاہتی ہوں۔ اگر یہ صرف وقتی جذبہ ہوا محبت نہیں۔۔۔تو پھر تو وہاج جیسے مخلص انسان کے ساتھ ناانصافی ہو گی نہ بابا۔۔۔ہم محبت کے نام پہ کسی انسان کے ساتھ ایسا سنگین مذاق نہیں کر سکتے۔۔یہ جو جزبات ہوتے ہیں نا۔۔۔ہر انسان کا بڑا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔۔۔بے حد سنبھال کے رکھے جانا والا اثاثہ۔۔۔اور اگر یہ اثاثہ کسی ناقدرے انسان پہ انویسٹ ہو جائے نا۔۔۔انسان خالی ہو جاتا ہے۔ایک بلکل کھوکھلی زندہ کش بن جاتا ہے۔"

اور آج اُس کی باتوں سے گلزار حبیب کو لگا تھا اُن کی بیٹی واقعی بڑی ہو گئی ہے

ooooooooooooooo

رات کو وہ کافی دیر سٹڈی میں بند اپنے ناول پہ کام کرتی رہی۔ 1 بجے کے قریب جب وہ کمرے میں آئی تب تک وہاج سو چکا تھا۔

پچھلے کچھ دنوں میں وہاج اپنے کسی کیس کے سلسلے میں بے حد مصروف رہا تھا لیکن اپنی مصروف ترین روٹین کے باوجود وہ زورین کے وجود سے ہر گز غافل نہیں ہوا تھا۔ دن میں تین چار بار اُسے کال ضرور کرتا اُسکی، بابا کی صحت کا پوچھتا، ناشتہ کھانا سب کی فکر ہوتی اُسے، چاہیے کتنا بھی لیٹ ہو جائے رات کی کافی وہ زورین کے ساتھ ضرور پیتا جو اکثر وہاج ہی بناتا تھا۔ اس دوران وہ زورین کی دن بھر کی روداد سنتا اور نیند بھری آنکھوں سے مشورے بھی دیتا۔ اور وقتاً فوقتاً وہ اُسے یہ احساس دلاتا رہتا تھا کہ وہ اُس کے لیے ضروری تھی۔ اُس کی زندگی میں اہمیت رکھتی تھی۔

روز اول کی طرح آج بھی وہ صوفے پہ سو رہا تھا۔ وہ اُس کے بلکل پاس نیچے زمین پہ بیٹھ گئی۔

دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھے وہ اُسے دیکھنے لگی۔ گھنی مونچھوں تلے عنابی لب جو ہمیشہ اُسے دیکھ کہ مسکراتے تھے اس وقت خاموش تھے۔ روشنیاں لٹاتی آنکھیں بند تھیں۔ اور وہ تل۔۔۔ ہمیشہ کی طرح اُسے اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

ایک ہاتھ کی انگلی سے نرمی سے تل کو چھوتے وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی تھی۔

یہ تل اُس کے بے حد قریب تھا۔۔اتنا قریب کہ وہ چھو سکتی تھی۔وہ جب بھی وہاج کو دیکھتی تھی نظر اس تل پہ اٹک جاتی تھی۔اُس کے چہرے کی آدھی خوبصورتی تو اس تل میں تھی۔اور زورین گلزار حبیب سے پوچھو تو اُسے وہاج کے ایک ایک نقش سے محبت تھی۔۔اور یہ آنکھیں۔۔

نرمی سے چھوا۔۔

کتنی محبت سے دیکھتی تھیں اُسے۔۔۔کتنے جذبات لٹاتی تھیں۔۔چاہتوں کا ایک سمندر ہوتا تھا زورین کے لیے ان میں۔مسکراتے ہوئے اُس نے اُس کے بالوں کو چھوا۔

"مجھے نہیں پتہ وہاج احمد۔تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے۔ہے بھی یا نہیں لیکن تمہاری یہ آنکھیں۔۔۔اقرار کے سبھی رازوں سے پردہ اٹھا دیتی ہیں۔۔معلوم نہیں تم بھی مجھے ایسے ہی سوچتے ہو یا نہیں لیکن تمہیں بتاؤں وہاج احمد۔۔۔میری رات کا آخری خیال اور صبح کی پہلی سوچ تم ہی ہوتے ہو۔تمہاری ایک مسکراہٹ پہ میرا دل تمھارے سامنے جھک جاتا ہے مجھے نہیں پتہ یہ محبت ہے یا نہیں لیکن یہ ضرور پتہ ہے کے

تم۔۔۔میرے لیے۔۔۔زورین گلزار حبیب کے لیے بے تحاشہ ضروری ہو چکے ہو۔ میری روح میں تمہارا عکس اتنی گہرائی میں اُتر چکا ہے کہ اگر میں تمھاری محبت اور سوچوں کو خود سے نکال دوں تو بلکل خالی ہو جاؤں گی۔میں جانتی ہوں تمہاری سماعتیں میرا اعتراف سننے کو بے تاب ہیں لیکن۔۔۔ابھی کچھ وقت۔۔۔مجھے اپنی محبت کو آزمانے دو۔میں تمھاری ہو چکی ہوں وہاج احمد۔۔۔بس کچھ دن مجھے اپنے ساتھ گزار لینے دو کہ اب مجھ میں تم بس چکے ہو اور میں خود کو کہیں کھو رہی ہوں۔وہاج احمد۔۔۔مجھے کچھ دنوں کے لیے میرا رہنے دو"بنا پلک جھپکائے اُس کے ایک ایک نقش کو نظروں میں جذب کرتی رہی۔اپنی نظروں کی عبادت میں اُسے کوئی کمی نہیں آنے دینی تھی۔۔۔

(جاری ہے)

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلیئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگرآپ ہماری ویب پراپناناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کرواناچاہیں تواردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کااستعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

انشااللہ آپ کی تحریرایک ہفتے کے اندراندر ویب پر پوسٹ کردی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلیئےاوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کااستعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرا میگزین